ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۲۰
جلد: ۲۸ ، شمارہ: ۱
صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
جنوری ۲۰۱۱ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱- درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲- درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳- افتتاحیہ	مدیر	۴
۴- اسلام اور توحید	مولانا ابومسعود قمر بنارسیؒ	۷
۵- اسلام تجارت: چند نمونے	مولانا عبدالمتین مدنی	۱۰
۶- سنن ابن ماجہ کی شروح میں ایک..	عبدالرشید عراقی	۱۲
۷- مدینہ منورہ کا ایک یادگار سفر	مولانا اسعد اعظمی	۱۷
۸- وہابی تحریک کی سرگرمیاں	صدیق احمد نفیس احمد	۲۲
۹- ہندومت	مولانا محمد مستقیم سلفی	۳۶
۱۰- محبت اور نفرت صرف اللہ کے لیے	خیر الاسلام بحر الحق	۳۰
۱۱- ماہ ربیع الاول اور موجودہ مسلمان	حافظ عبدالرحمٰن سلفی	۳۷
۱۲- یوم جمہوریہ ۲۰۱۱ء کے پرمسرت..	عبیداللہ الباقی عبدالسلام	۴۶
۱۳- عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۷
۱۴- باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۸

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

غسل کرنے کا مسنون طریقہ

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿وَإِن كُنتُمْ جُنُباً فَاطَّهَّرُواْ﴾ (سورہ مائدہ:٦)
اور اگر تم جنبی ہو تو بڑی پاکی حاصل کرو۔

نماز پڑھنے کے لیے انسان کو پاکی حاصل کرنی ہوتی ہے۔اس آیت میں اللہ تعالی نے وضوء کے طریقہ کے بعد فرمایا کہ اگر تم جنبی ہو تو وضوء سے کام نہیں چلے گا بلکہ بڑی پاکی حاصل کرنی ہوگی، فاطھّروا کا مطلب ہوتا ہے کہ پاکی حاصل کرنے میں زیادہ محنت کرو اور یہ پاکی پورے جسم کے دھونے سے حاصل ہوتی ہے۔

جنبی سے مراد حدث اکبر ہے، چاہے یہ جماع واحتلام سے ہو یا حیض ونفاس سے، حدث اکبر کی صورت میں بغیر غسل کئے نماز نہیں ہوتی، جس طرح وضوء کا طریقہ اللہ کے رسول ﷺ سے مروی ہے صحابہ کرام غسل کا طریقہ بھی جانتے تھے، مسلمان کو چاہئے کہ جب بھی غسل کرے مسنون طریقہ پر کرے، یہ بڑی پاکی ہے اور اس کے بعد دوبارہ وضوء کی ضرورت نہیں ہوتی۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ اللہ کے رسول ﷺ جب جنابت کا غسل کرتے تو اس طرح شروع فرماتے:

سب سے پہلے اپنا دونوں ہاتھ دھلتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالتے اور اپنی شرمگاہ صاف کرتے، اس کے بعد جس طرح وضوء کیا جاتا ہے وضوء کرتے، پھر پانی لیتے اور اپنی انگلیوں کو بال کی جڑوں میں ڈال کر دھلتے، جب دیکھتے کہ جلد تر ہوگئی اپنے سر پر تین لپ پانی ڈالتے پھر پورے جسم پر پانی بہاتے پھر دونوں پیروں کو دھلتے۔(بخاری:۲۶۹، مسلم:۳۱۶)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ آپ ﷺ اپنی شرمگاہ کے دھلنے کے بعد اپنے بائیں ہاتھ کو زمین پر رگڑ کر صاف کیا، (اس زمانہ میں فرش مٹی کا ہوا کرتا تھا) پھر آپ ﷺ نے وضوء کیا اور پورے جسم پر پانی ڈالا اور اخیر میں اپنی جگہ سے کھسک کر اپنے دونوں پیروں کو دھلا۔(بخاری: ۲۷۷، مسلم:۳۱۷)

غسل کا طریقہ یہ ہے سب سے پہلے ہاتھ دھلنے کے بعد اپنے جسم سے گندگی صاف کرے، پھر ہاتھ صاف کرکے وضوء کرے، کلی کرے، ناک میں پانی ڈالے، چہرہ اور دونوں ہاتھوں کو کہنی تک دھلے، اس کے بعد سر دھلے، سر وکان کا مسح نہیں ہے بلکہ سب کا دھلنا ہے، اس کے بعد پورے جسم کو دھلے، ہر کام کو دائیں جانب سے شروع کرنا چاہئے اور اخیر میں اپنے دونوں پیروں کو دھلے، غسل مکمل ہوگیا۔یہی غسل کا مسنون طریقہ ہے، میت کو بھی اسی ترتیب وطریقہ پر غسل دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالی ہم سب کو سنت پر عمل کرنے کی توفیق بخشے، آمین۔

☆☆☆

درس حدیث:۱۴۲

نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی/استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن عبادة بن الصامت، قال: قال رسول الله ﷺ: لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب. متفق عليه.
(مشكاة ج ۱، ص ۷۸)

قال فی المرعاة: وأخرجه أيضا أحمد والترمذي وأبوداود والنسائي وابن ماجه، وغيرهم. (مرعاة ج ۳، ص ۱۰۸)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے کہ جس انسان نے (نماز میں) سورہ فاتحہ کی قرأت نہیں کی اس کی نماز نہیں۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی مصلی کی کوئی بھی نماز بغیر سورہ فاتحہ کی قرأت کے نہیں ہوگی، مصلی منفرد ہو یا امام یا مقتدی، نماز فرض ہو یا نفل، سری ہو یا جہری۔ یہی روایت امام بیہقی ؒ نے کتاب القراءۃ میں اس لفظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر کی ہے:

"لم يقرأ بفاتحة الكتاب "خلف الإمام" وقال: إسناده صحيح، والزيادة التي فيه صحيحة مشهورة من أوجه كثيرة" (مرعاۃ ج۳،ص۱۰۸) یعنی جس نے امام کے پیچھے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔ اس کی سند صحیح ہے، اور "امام کے پیچھے" والی زیادتی بہت سی سندوں سے صحیح طور پر ثابت اور مشہور ہے۔

حضرت عبادہ ؓ کی روایت کے مفہوم میں ایک مفصل مرفوع روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ سے ان الفاظ میں آئی ہے: من صلى صلاة لم يقرأ فيها بأم القرآن فهي خداج، ثلاثا، غير تمام. فقيل لأبي هريرة: إنا نكون وراء الإمام؟ قال: اقرأ بها في نفسك، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: قال الله تعالى: قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين، ولعبدي ما سأل، فإذا قال العبد: ﴿ الحمد لله رب العالمين ﴾ قال الله تعالى: حمدني عبدي، ..... الخ. رواه مسلم. (مرعاة مع المشكاة ج ۳، ص ۱۱۶) یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے کوئی نماز بغیر سورہ فاتحہ کی قرأت کے ادا کی وہ نماز نقص فساد و بطلان والی غیر تمام ہے، یہ بات آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے سوال کیا گیا: ہم امام کے پیچھے ہوں (تو قرأت کریں یا نہ؟) فرمایا: اپنے دل میں پڑھ لو، اس لیے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: میں نے صلاۃ کو (یعنی سورہ فاتحہ کو) اپنے اور بندے کے مابین (معنوی طور پر دو حصے: اللہ کی حمد وثناء، بندے کی طلب ودعاء، میں) تقسیم کر دیا ہے، اور بندہ جو مانگتا ہے وہ پاتا ہے، جب بندہ ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ پڑھتا ہے، تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد بیان کی ہے، .....الخ۔ (مسلم شریف)

صاحب مرعاہ ؒ لکھتے ہیں: "المراد بالصلاة هنا الفاتحة، سميت بذلك لأنها لا تصح إلا بها، كقوله ﷺ: "الحج عرفة" ففيه دليل على وجوبها بعينها في الصلاة. (مرعاۃ ج۳،ص۱۱۴)

یعنی حدیث میں "الصلاۃ" سے مراد سورہ فاتحہ ہے، اس کو "صلاۃ" نام دیا گیا ہے، اس لیے کہ بغیر فاتحہ کے نماز صحیح نہیں ہوتی، جیسے "الحج عرفة" کہا گیا ہے کہ بغیر وقوف عرفہ کے حج نہیں ہوتا ہے، اس روایت میں نماز کے اندر متعین صورت میں وجوب فاتحہ کی دلیل ہے۔

رب العالمین! امت مسلمہ کو نماز کی ہر رکعت میں وجوبی طور پر سورہ فاتحہ پڑھنے کی توفیق عنایت فرما، آمین۔ ☆☆☆

افتتاحیہ

مولانا ابوالکلام آزاد کی یاد میں

۲۶ رجنوری ۲۰۱۱ء کو جامعہ سلفیہ بنارس میں ''یوم جمہوریہ'' کی تقریب بڑے شاندار طریقہ سے منائی گئی، یہاں کا لکچر ہال طلباء، اساتذہ، منتظمین جامعہ اور شہر کی متعدد شخصیات سے لبریز تھا، اس سال دیگر پروگراموں کے علاوہ صدر جامعہ ڈاکٹر جاوید اعظم اور ناظم اعلی جامعہ سلفیہ جناب عبداللہ سعود صاحبان نیز برادرم جناب جمیل خاں صاحب نے بھی بڑے مسرت بھرے لہجے میں مجمع کو خطاب کیا، اس شاندار پروگرام کی نگرانی رصدارت کے تعلق سے راقم سطور کو بھی کچھ خطاب کرنا تھا، اس موقع پر مجھے مولانا ابوالکلام آزاد عظیم مجاہد آزادی کی یاد ضرور آتی ہے، اس لیے طلبہ کے سامنے ان کی زندگی کے کچھ نمونے پیش کرنا میں نے اہم سمجھا، میں نے اپنے خطاب میں عرض کیا:

مولانا ابوالکلام آزاد عظیم مجاہد آزادی اور جدید ہندوستان کے معماروں میں سرفہرست اور بعض خصائص کی بنا پر یکتائے روزگار تھے، وہ جس قدر مومن وموحد اور اسلام پر یقین کامل رکھتے تھے، اسی قدر انہیں ہندو مسلم اتحاد اور برصغیر کی متحدہ قومیت پر یقین تھا، اس حقیقت کو خود مولانا کی زبان میں سنئے:

میں مسلمان ہوں اور فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ مسلمان ہوں، اسلام کی تیرہ سو برس کی شان دار روایتیں میرے ورثے میں آئی ہیں، میں تیار نہیں کہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ضائع ہونے دوں، اسلام کی تعلیم، اسلام کی تاریخ، اسلام کے علوم وفنون اسلام کی تہذیب میری دولت کا سرمایہ ہے، اور میرا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کروں، بحیثیت مسلمان ہونے کے میں مذہبی اور کلچرل دائرے میں اپنی ایک خاص ہستی رکھتا ہوں، اور میں برداشت نہیں کرسکتا کہ اس میں کوئی مداخلت کرے، لیکن ان تمام احساسات کے ساتھ میں ایک اور احساس بھی رکھتا ہوں جسے میری زندگی کی حقیقتوں نے پیدا کیا ہے، اسلام کی روح مجھے اس سے نہیں روکتی، وہ اس راہ میں میری رہنمائی کرتی ہے، میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ایک ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں، میں اس متحدہ قومیت کا ایک ایسا اہم عنصر ہوں جس کے بغیر اس کی عظمت کا ہیکل ادھورا رہ جاتا ہے، میں اس کی تکوین (بناوٹ) کا ایک ناگزیر عامل ہوں، میں اپنے اس دعوے سے کبھی دست بردار نہیں ہوسکتا۔

ہندوستان کے لیے قدرت کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ اس کی سرزمین انسان کی مختلف تہذیبوں اور مختلف قافلوں کی

منزل بنے، ابھی تاریخ کی صبح بھی نمودار نہیں ہوئی تھی کہ ان قافلوں کی آمد شروع ہوگئی، اور پھر ایک کے بعد ایک سلسلہ جاری رہا، اس کی وسیع سرزمین سب کا استقبال کرتی رہی، اس کی فیاض گود نے سب کے لیے جگہ نکالی، ان ہی قافلوں میں ایک آخری قافلہ ہم پیروان اسلام کا بھی تھا، یہ بھی پچھلے قافلوں کے نشان راہ پر چلتا ہوا یہاں پہنچا، اور ہمیشہ کے لیے یہاں بس گیا، یہ دنیا کی دو مختلف قوموں اور تہذیبوں کے دھاروں کا میلان تھا، یہ گنگا اور جمنا کے دھاروں کی طرح پہلے ایک دوسرے سے الگ الگ بہتے رہے، لیکن پھر جیسا کہ قدرت کا اٹل قانون ہے، دونوں کو ایک سنگم میں مل جانا پڑا، ان دونوں کا میل تاریخ کا ایک عظیم واقعہ تھا، جس دن یہ واقعہ ظہور میں آیا، اس دن سے قدرت کے مخفی ہاتھوں نے قدیم ہندوستان کی جگہ ایک نئے ہندوستان کے ڈھالنے کا کام شروع کر دیا، ..... ہماری گیارہ صدیوں کی مشترک تاریخ نے ہندوستانی زندگی کے تمام گوشوں کو اپنے تعمیری سامانوں سے بھر دیا ہے، ہماری زبانیں، ہماری شاعری، ہمارا ادب، ہماری معاشرت، ہمارا ذوق، ہمارا لباس، ہمارے رسم ورواج، ہماری روزانہ زندگی کی بے شمار حقیقتیں، کوئی گوشہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر اس مشترک زندگی کی چھاپ نہ لگ گئی ہو، ہماری بولیاں الگ الگ تھیں، مگر ہم ایک ہی زبان بولنے لگے، ہمارے رسم ورواج ایک دوسرے سے بیگانہ تھے، مگر انہوں نے مل جل کر ایک نیا سانچا پیدا کر لیا، ہمارا پرانا لباس تاریخ کی پرانی تصویروں میں دیکھا جا سکتا ہے، مگر وہ اب ہمارے جسموں پر نہیں مل سکتا، یہ تمام مشترک سرمایہ ہماری متحدہ قومیت کی ایک دولت ہے، اور ہم اسے چھوڑ کر اس زمانے کی طرف لوٹنا نہیں چاہتے، جب ہماری یہ ملی جلی زندگی شروع نہیں ہوئی تھی، ہم میں اگر ایسے ہندو دماغ ہیں جو چاہتے ہیں کہ ایک ہزار برس پہلے کی ہندو زندگی واپس لائیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ایک خواب دیکھ رہے ہیں اور وہ کبھی پورا ہونیوالا نہیں، اسی طرح اگر ایسے مسلمان دماغ موجود ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنی اس گزری ہوئی تہذیب اور معاشرت کو پھر تازہ کریں جو وہ ایک ہزار برس پہلے ایران اور وسط ایشیا سے لائے تھے تو میں ان سے بھی کہوں گا کہ اس خواب سے جس قدر جلد بیدار ہو جائیں بہتر ہے، کیونکہ یہ ایک غیر قدرتی تخیل ہے، اور حقیقت کی زمین میں ایسے خیالات اگ نہیں سکتے ..... ہم ایک ہندوستانی قوم اور ناقابل تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں، علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو دو نہیں بنا سکتا، ہمیں قدرت کے فیصلے پر رضامند ہونا چاہئے، اور اپنی قسمت کی تعمیر میں لگ جانا چاہئے۔ (خطبۂ صدارت مارچ ۱۹۴۰ء)

مولانا پوری زندگی اس متحدہ قومیت کی تعمیر میں لگے رہے، اور اسے اپنی زندگی کی روشن شاہراہ قرار دے کر خود اس پر چلے اور اپنے ساتھیوں اور برصغیر کی پوری قوم کو اسی شاہراہ پر چلنے کی دعوت دیتے رہے، حتی کہ جب حالات کے عذر کا سہارا لے کر آپ کے زندگی بھر کے جنگ آزادی کے ساتھی تقسیم کے مطالبے کے آگے جھک گئے تو مولانا نے اس موقع پر جو کچھ کہا وہ اس شاہراہ کو بند نہ کرنے کی بات تھی جس پر وہ تاحیات چلتے رہے تھے، مولانا کے الفاظ سنئے:

ہمیں بہر حال یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ قوم ایک ہے، اور اس کی ثقافتی زندگی ایک ہے، اور ایک رہے گی، ہم سیاسی سطح پر ناکام رہے، اور اسی لیے ہم ملک کو تقسیم کررہے تھے، ہمیں اپنی شکست تسلیم کرلینی چاہئے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے اس یقین کو قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری ثقافت کا بٹوارہ نہیں کیا جائے گا، اگر پانی میں ہم ایک چھڑی رکھ دیں تو بظاہر ایسا لگے گا کہ پانی بٹ گیا ہے، لیکن پانی تو جوں کا توں رہتا ہے، اور جیسے ہی چھڑی ہٹائی جاتی ہے تو ظاہری تقسیم بھی ختم ہوجاتی ہے۔(انڈیا ونس فریڈم کا ترجمہ: آزادیٔ ہند ص ۲۸۶)

مولانا ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء اپنے انتقال کے وقت تک ملک کے وزیر تعلیم رہے، یہ ایک مستقل موضوع ہے، لیکن تفصیلات سے قطع نظر ایک بات کہہ دینی بے حد اہم ہے کہ آپ کے نظریۂ تعلیم کی اساس یہی تھی کہ اس کا فیضان ہر ہندوستانی کو بلا روک ٹوک پہنچنا چاہئے اور ہندوستانی مشترکہ ثقافت کی جڑیں مضبوط ہونی چاہئیں۔

جہاں تک مولانا کے عظیم موحد ہونے کی بات ہے، اس کے لیے کم از کم طلباء عزیز کو یہ دلیل کافی ہوگی کہ جب مولانا کے انتقال کا وقت قریب آگیا، فالج کے شدید حملہ سے تین روز تک بے ہوش رہے، بیچ میں ایک دو دفعہ ہوش آیا، ایک دفعہ ہوش آیا تو پنڈت جواہر لال نہرو پر نظر پڑی انہیں پہچان گئے، ''خدا حافظ'' کہا پھر بے ہوش ہوگئے، کچھ دیر کے لیے پھر ہوش آیا تو بولے: مجھے پنجرے میں کیوں بند کررکھا ہے، بس اللہ پر چھوڑیے، پھر انتقال ہوگیا۔ یہ ۲۲ رفروری ۱۹۵۸ء کا سانحہ ہے، جب برصغیر کی متحدہ قومیت کی روشن شاہراہ تعمیر کرنے والا یہ موحد اپنے پیچھے انمٹ نقوش تاباں چھوڑ کر اس دنیا کو الوداع اور حیات جاودانی کو لبیک کہہ گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی سیرت میں طلباء عزیز کے لیے ایک پہلو اور بھی بڑا اہم ہے، وہ یہ کہ ہم سب کی طرح انہوں نے بھی یہی عربی کتابیں اپنے اساتذہ سے پڑھی تھیں اور ان میں سے کچھ کا درس بھی دیا تھا، لیکن اپنی محنت اور قابلیت سے انہوں نے انگریزی، ترکی اور فرانسیسی زبانیں سیکھیں، انگریزی اور فرانسیسی کے فلاسفروں، ادیبوں اور سائنسدانوں کے افکار ونظریات کو گہرائی سے پڑھا، عربی، فارسی اور اردو تو ان کے اپنے گھر کی زبانیں تھیں، اس طرح انہیں عالمی، فلسفہ، تاریخ، سیاسی نظریات وآداب پر عبور حاصل ہوا اور جن سے ان کو اپنے اصل افکار ونظریات میں نکھار حاصل ہوا اور زندگی کی متعین شاہراہ عمل پر تا حیات رواں دواں رہ کر برصغیر کی تاریخ کے صفحات پر لازوال نقوش چھوڑ گئے۔

☆☆☆

اسلام اور توحید

از: مولانا ابو مسعود قمر صاحب بنارسی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالی کو اس کی ذات اور صفات کاملہ میں یکتا اور بے مثل ماننے کا نام توحید ہے، ایسی توحید صرف مذہب اسلام ہی میں پائی جاتی ہے، چنانچہ دنیا میں اسلام کے سوا جتنے مذاہب ہیں یا تو ان میں سرے سے توحید ہی نہیں ہے یا ہے مگر ناقص مثلا مجوسی یزداں اور اہرمن دو خداؤں کو مانتے ہیں اور اپنے اس عقیدے کے بنا پر کہتے ہیں کہ یزداں خیر کا مالک ہے اور اہرمن شر کا، یہودی لوگ حضرت عزیر کی ابنیت کے قائل ہیں یعنی کہ یہ نعوذ باللہ یہ خدا کے بیٹے ہیں، عیسائی حضرات میں کئی فرقے ہیں، کچھ لوگ حضرت عیسی کے ابنیت کے قائل ہیں، یعنی یہ کہ نعوذ باللہ یہ خدا کے بیٹے ہیں، کچھ لوگ عقیدہ تثلیث کے قائل ہیں یعنی یہ کہ خدا، مسیح اور روح القدس تینوں مل کر خدا ہیں، ایک تین ہے اور تین ایک ہے، اور کچھ لوگ حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل ہیں یعنی یہ کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح خود خدا تھے، آریہ صاحبان پرمیشور کے ساتھ ساتھ روح اور مادہ کے قائل ہیں جو خدائی شان کے خلاف ہے، سناتن دھرمی لوگ سیکڑوں دیوتاؤں کی پرستش کے قائل ہیں، اور برہما بشن مہادیو کو ایشور کا نائب بلکہ مالک اور مختار کل سمجھتے ہیں، بخلاف اس کے مذہب اسلام میں عقیدۂ توحید کی بہت بڑی تاکید اور اہمیت آئی ہے۔

توحید کی قسمیں: حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانۂ رسالت میں یہی تین قسم کے بڑے گروہ موجود تھے، جو اپنی اختیار کردہ غلط راہ کو اپنا دین وایمان سمجھ رہے تھے، اس لیے رب العزت نے ان سب غلط اعتقادوں کی جو مسئلہ توحید کے متعلق پیدا ہو سکتے اور ہو چکے تھے کافی طور پر تردید کی، اور لوگوں کو توحید فی الذات اور توحید فی الصفات اور توحید فی العبادات کی ایسی تعلیم دی جس سے اس کی خالص اور مکمل توحید کا مبارک اعتقاد ذہن نشین ہوا۔

توحید فی الذات: خدائے تعالی کی ذات کو سب عیوب ونقائص سے خالی اور بے مثال ماننے کا نام توحید ذاتی ہے اور اس توحید کی تکمیل دو امور پر موقوف ہے، ایک امر یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی ذات کو مختلف اور متعدد اجزاء سے مرکب اور مجسم تسلیم نہ کیا جائے یعنی خدائے تعالی ایک ہے اس لحاظ سے کہ وہ مرکبات کی طرح اجزاء سے مرکب نہیں ہے، قرآن پاک نے خدائے تعالی کی ذات کے مجسم اور مرکب نہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور جو لوگ خدا کی نسبت مجسم اور مرکب ہونے کا باطل اعتقاد رکھتے تھے، مختلف پیراؤں میں ان کی تردید کی اور تمام دنیا کو آگاہ کیا کہ خدائے تعالی کی ذات کو مجسم اور مرکب ماننے کا اعتقاد بالکل صحیح نہیں ہے۔

خدائے واحد کے اوصاف: اسلام پاک نے سکھایا کہ تمام عالم کا بنانے والا صرف خدائے واحد ہے، اور وہ موجود ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کی ذات میں کوئی شریک نہیں، اس کا فنا ہونا محال ہے، کوئی چیز اس کی مانند نہیں، وہ سب سے نرالا ہے، وہ عالم الغیب ہے۔

توحید فی الصفات: تمام کمال کی صفتوں سے موصوف ہے، کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں، دیکھتا ہے، سنتا ہے، کلام کرتا ہے، وہ زندہ ہے، تمام ممکنات ومخلوقات پر اس کو پوری قدرت حاصل ہے، اس نے ہی تمام چیزوں کو اپنے ارادے سے پیدا کیا ہے،

وہی جلاتا ہے، وہی مارتا ہے، وہی قابل پرستش ہے، وہی لائق عبادت ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی دعا قبول کرتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی ذلت، وہی مریضوں کو شفا دیتا ہے، وہی مصیبتوں کو ٹالتا ہے، وہی گنہگاروں کو بخشنے والا ہے، برائی بھلائی دونوں کا پیدا کرنے والا ہے، نیکی سے راضی اور بدی سے ناخوش ہوتا ہے، اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، وہ عالم کی حفاظت سے تھکتا نہیں، نہ وہ سوتا ہے، نہ وہ اونگھتا ہے، اسی نے سب کو پیدا کیا ہے، وہی جب چاہے گا سب کو فنا کر دے گا، پھر سب کو قیامت کے دن پیدا کرے گا، اور حساب وکتاب لے گا، نیک بندوں کو جنت میں اور بدوں کو دوزخ میں داخل کرے گا وغیرہ وغیرہ۔

توحید فی العبادات: باری تعالی کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا، غیر اللہ میں کسی کو عبادت کے لائق نہ جاننا، اور اس کے سوا کسی کے آگے نہ جھکنا، اور نہ سجدہ کرنا، اور نہ کسی کی تسبیح وتحمید پڑھنا، یہ توحید فی العبادات ہے، اس کے خلاف کرنا شرک فی العبادات ہے۔

خدا کی وحدانیت پر عقلی نقلی بہت سی دلیلیں ہیں، لیکن ہم قرآن مجید کی مندرجہ ذیل چند آیتوں کو نقل کرتے ہیں، جس سے توحید پر بڑی روشنی پڑتی ہے، ﴿وما أرسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه أنه لا إله الا أنا فاعبدون﴾ (سورۃ الانبیاء:۲۵) اے ہمارے نبی! ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسولوں کو بھیجا ہے سب کو یہی حکم دیا تھا کہ میں ایک اکیلا ہی عبادت کے لائق ہوں تم صرف میری ہی عبادت کرتے رہنا۔

﴿وإلهكم إله واحد لا إله الا هو الرحمن الرحيم﴾ (سورہ بقرہ:۱۶۳) لوگو! تمہارا صرف ایک ہی خدا ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، وہ بہت رحم کرنے والا مہربان ہے۔

﴿شهد الله أنه لا إله الا هو والملائكة وأولو العلم قائما بالقسط لا إله الا هو العزيز الحكيم﴾ اللہ خود اس بات کا گواہ ہے کہ وہی سچا معبود ہے اور فرشتے اور علم والے بھی گواہ ہیں کہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا ہے، وہ ایک ہی معبود ہے جو زبردست حکمت والا ہے۔

﴿إنما الله إله واحد سبحانه أن يكون له ولد له ما فی السماوات وما في الأرض وكفى بالله وكيلا﴾ (سورۃ النساء) اللہ تعالی بس ایک اکیلا معبود ہے، وہ بیٹا بیٹی سے پاک صاف ہے، آسمانوں اور زمین میں اس کی بادشاہت ہے اور اللہ کام بنانے والا کافی ہے۔

﴿وقال لا تتخذوا الهين اثنين انما هو اله واحد فإياي فارهبون﴾ (سورۃ النحل:۵۱) اور اللہ نے فرمایا دو معبود (خدا) مت بناؤ بس وہ ایک ہی خدا عبادت کا حق دار ہے تم مجھ ہی سے ڈرو۔

﴿قل انما يوحى إلي أنما إلهكم إله واحد فهل أنتم مسلمون﴾ (سورۃ الانبیاء:۱۵۸) کہہ دو بس مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ تمہارا صرف ایک ہی خدا عبادت کے لائق ہے، تو اب تم مسلمان بن جاؤ۔

﴿فإلهكم إله واحد فله أسلموا﴾ (سورۃ الحج:۱۶۵) (لوگو) تمہارا تو ایک ہی خدا معبود ہے پس اس کے فرماں بردار رہو۔

﴿إن إلهكم لواحد﴾ (والصافات:۴) یقیناً تم سب کا صرف ایک ہی خدا معبود ہے۔
﴿وما من إله الا الله الواحد القهار﴾ (سورہ ص:۱۶۵) اور صرف ایک ہی اللہ عبادت کا حق دار ہے جو سب پر قابو رکھنے والا ہے۔
﴿سبحانه وهو الله الواحد القهار﴾ پاک ہے وہ وہ تو ایک اکیلا خدا ہے جو سب پر دباؤ رکھنے والا ہے۔

اسلام نے ابتداء آفرینش سے انتہا تک یہی کوشش کی ہے شروع سے آخر تک توحید ہی پر رکھا جائے اور ازل میں اسی کا اقرار لیا، پھر دنیا میں آنے کے بعد بھی اس کی پابندی کا حکم دیا، چنانچہ حکم ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو اس کے کان میں اذان "الله أكبر الله أكبر" کہو اور جب بولنے لگے تو پہلے "یا اللہ" کہنا سکھاؤ اور کچھ ہوشیار ہو تو کلمۂ طیبہ لا إله الا الله محمد رسول الله پڑھنا سکھاؤ، جس کے معنی ہے کہ: "اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں" پھر حکم ہوتا ہے کہ جب لڑکا لڑکی سات برس کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں نماز پڑھاؤ اور جب دس برس کے ہو جاویں تو تاکید سے پڑھاؤ جس میں شروع سے آخر تک دیگر امور کے علاوہ خصوصیت سے توحید پائی جاتی ہے، مسلمانوں کو جو کتاب قرآن مجید دی گئی اس میں جتنا ذکر توحید کا پایا جاتا ہے کسی دوسرے مسئلہ کا نہیں، کیونکہ یہ دین کا ایک بنیادی مسئلہ اور نجات کا ذریعہ ہے، ایسی چند آیتیں حسب ذیل ہیں: "قل الله خالق كل شيء" (رعد) یعنی کہو کہ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اکیلا غالب ہے، "وقال الله لا تتخذوا الهين" الآیہ (سورہ نحل) اور اللہ تعالی نے فرمایا کہ دو (یا زیادہ) معبود نہ بناؤ بس وہی ایک معبود ہے، "ولا تقولوا ثلاثة" الآیۃ (نساء) اور یوں مت کہو کہ تین ہیں اس سے باز آجاؤ تمہارے لیے بہتر ہوگا، معبود حقیقی تو ایک ہی ہے، "ولقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم" الآیۃ (سورہ مائدہ) یعنی بلا شبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالی عین مسیح ابن مریم ہیں، آپ یوں پوچھئے اگر ایسا ہے تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالی مسیح ابن مریم کو اور ان کی اولاد کو اور جتنے زمین میں ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کوئی شخص ایسا ہے جو خدا تعالی سے ان کو ذرا بھی بچا سکے، اللہ ہی کے لیے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمینوں پر اور جتنی چیزیں ان کے دونوں کے درمیان ہیں ان پر اور وہ جس چیز کو چاہے پیدا کرے اور اللہ تعالی کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے"۔

حالی مرحوم نے کیا ہی خود کہا ہے ؎

ہے ایک ذات واحد عبادت کے لائق	زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق	اسی کے ہیں فرمان طاعت کے لائق
لگاؤ تو لو اپنی اس سے لگاؤ	جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ
اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم	اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم	اسی کے طلب میں مرو گر مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی	نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

☆☆☆

(ماہنامہ "الاسلام" دہلی)

اسلامی تجارت: چند نمونے

مولانا عبدالمتین مدنی

کتب حدیث وفقہ کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں بیع وشراء کی حدیثوں اوران کے مسائل کو بڑے اہتمام سے جمع کیا ہے اور یہ مجموعہ تجارت کی اہمیت وفضیلت، اس کے احکام وآداب پر مشتمل ہے۔

ایک مسلمان تاجر اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ اپنے تاجرانہ معاملات میں بالکل دنیادار، خودغرض، مطلب پرست، بے رحم اور تاجرِ محض بن کر نہ رہ جائے بلکہ وہ تجارت کے ان تمام اصول وضابطے کا حتی المقدور پابند ہو جن کی تعلیم اس کا دین اسے دیتا ہے اور رسول کی سیرت کو جس طرح عبادات اور اخلاق وکردار کے باب میں نمونۂ عمل بناتا ہے اس طرح میدان تجارت میں بھی رسول کی سیرت کے مثالی نقوش کو مشعل راہ قرار دے، بعثت سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ نے معاش کے مسائل کو حل کرنے کے لیے مکہ والوں کی بکریاں چرائی اور آپ حضرت خدیجہ کی تجارت کے لیے شام بھی تشریف لے گئے۔

اور آپ ﷺ سے جب پوچھا گیا: أي الكسب أطيب قال عمل الرجل بيده وكل بيع مبرور۔ (بزار) سب سے عمدہ اور پاکیزہ کمائی کیا ہے آپ نے فرمایا آدمی کی اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر وہ خرید وفروخت جس میں گناہ کی آمیزش نہ ہو۔

اس حدیث میں وہ تجارت جس میں جھوٹ، دھوکہ، فریب، خیانت اور کوئی منکر نہ ہو اسے سب سے عمدہ کمائی قرار دیا گیا ہے، اس کی عمدگی اس کے حلال اور پاکیزہ ہونے کے اعتبار سے ہے اور خوشگوار ہونے کے بھی اعتبار سے بھی، ایک اچھا تاجر صرف اپنے فائدہ کی نہیں سوچتا بلکہ جس سے وہ مال خریدتا ہے اور جسے وہ مال بیچتا ہے اسے بھی نقصان میں ڈالنا نہیں چاہتا، وہ ہر ایک کے ساتھ ہمدرد اور خیرخواہ ہوتا ہے اور جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی دوسرے کے لیے بھی پسند کرتا ہے، عہد نبوی میں مدینہ میں سامان کی قیمت میں اضافہ ہوگیا، صحابہ کرام نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: غلا السعر فسعّر لنا فقال رسول الله ﷺ ان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لأرجو الله أن ألقى الله تعالى وليس لأحد منكم يطلبني بمظلمة فی دم ولا مال. گرانی بڑھ گئی، آپ ہمارے لیے سامان کی قیمت مقرر کردیں، اللہ کے رسول نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی قیمت مقرر کرنے والا، تنگ کرنے والا، کشادہ کرنے والا، روزی دینے والا ہے اور میں اللہ سے یہ امید رکھتا ہوں کہ میں اس سے اس حال میں ملاقات کروں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے کسی مال یا خون کا بدلہ طلب نہ کرے۔

خرید وفروخت کے دوران بھی دل میں اللہ اور قیامت کے دن کا ڈر اور خوف ہو تو پھر ایسی تجارت اور ایسے تاجروں کا کیا کہنا، "رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله واقام الصلاة يخافون يوما تتقلب فيه القلوب والأبصار"۔ (ابوداود، ترمذی)

اللہ کے رسول ﷺ کے بیع وشراء کے جو نمونے حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ومحفوظ ہیں وہ بڑے دلکش اور عمدہ ہیں۔

حضرت ابوصفوان سوید بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور مخرمہ العبدی ہجر سے کپڑا لائے، اللہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس تشریف لاکر ہم سے شلوار کا کپڑا خریدا اور جو شخص وزن کرکے قیمت لے رہا تھا اس سے آپ نے فرمایا کچھ زیادہ ہی وزن کرکے قیمت لو۔ (ابوداود، ترمذی)

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بدلہ میں اونٹ دینے کے سلسلے کا ہے، ایک شخص سے اللہ کے رسول نے ایک اونٹ ادھار خریدا، آپ

ﷺ کے پاس جب صدقہ کا اونٹ پہنچا تو آپ نے حضرت ابورافع سے کہا: اس کے اونٹ کی قیمت ادا کردو، حضرت ابورافع نے کہا میں اس سے بہتر ہی اونٹ پاتا ہوں، آپ نے کہا: اعطه اياه فان خيار الناس أحسنهم قضاء۔ وہ اسید ے دوسب سے بہتر وہ شخص ہے جو بدلہ سب سے اچھا دے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ واپس لوٹ رہے تھے، وہ بالکل تھکا ہوا ضعیف اونٹ تھا، سوچا تھا کہ مدینہ لوٹ کر اسے چھوڑ دوں گا، اللہ کے رسول ﷺ نے اسے ہاتھ لگایا اور برکت کی دعا دی، وہ تیز چل پڑا، آپ نے حضرت جابر سے اسے بیچنے کی فرمائش کردی، حضرت جابر نے انکار کیا، پھر آپ نے یہ فرمائش دہرائی، حضرت جابر تیار ہوتو گئے مگر شرط لگادی کہ اس پر سوار ہو کر گھر تک جاؤں گا، آپ نے ان کی شرط منظور فرمالی، مدینہ پہنچ کر جب حضرت جابر نے وہ اونٹ آپ کے پاس بھیجا تو آپ نے اونٹ اور اس کی قیمت دونوں جابر کو لوٹا دی، حدیث کے الفاظ ہیں: أترانى ماكستك لأخذ جملك خذ درهمك وجملك فهو لك۔ (متفق علیہ) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا اونٹ لینے کے سلسلہ میں میں نے تم کو نقصان میں ڈال دیا، اپنا اونٹ اور قیمت دونوں لے لو۔

کس قدر خیر خواہی اور ہمدردی ہے ان تجارتی معاملات میں، اگر آج مسلمان اپنی تجارت میں اس قسم کی مثال پیش کرنے لگیں تو یہ نہ صرف تجارت ہوگی بلکہ اس دین کی تبلیغ کا مؤثر ذریعہ ہوگی۔

نرمی اور رفق تو اسلام کی بڑی خوبی ہے اور مسلمان تجارت کے میدان میں بھی اس خوبی کا مظاہرہ کرتا ہے، فرمان نبوی ہے: رحم الله رجلا سمحا اذا باع واذا اشترى واذا اقتضى۔ (بخاری) اللہ اس شخص پر رحم فرماتا ہے جو خریدنے کے وقت، بیچنے کے وقت اور قیمت کا تقاضا کرنے کے وقت نرمی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اللہ رحم فرماتا ہے اس شخص پر، یہ رحمت مال ومنال اور تجارت میں خیر وبرکت کے طور پر بھی حاصل ہوسکتی ہیں اور اس کی دوسری شکلیں بھی ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: حوسب رجل ممن كان قبلكم فلم يوجد له من الخير بشيء الا انه كان يخالط الناس وكان موسرا وكان يأمر غلمانه أن يتجاوزوا عن المعسر قال الله تعالى نحن أحق بذلك منه تجاوزوا عنه۔ (مسلم) تم سے پہلے کی امتوں کے ایک شخص کا حساب لیا جائے گا، اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی، سوائے اس کے کہ وہ لوگوں کے ساتھ لین دین کرتا اور مال دار تھا اور اپنے بچوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ تنگ دست کو معاف کردو، اللہ فرماتا ہے: اس عفوودرگذر کا میں اس سے زیادہ حق دار ہوں، اسے معاف کردو۔

اس عفوو گذر کا فائدہ دو اور حدیثوں میں ذکر کیا گیا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: من سره أن ينجيه الله من كرب يوم القيامة فلينفس عن معسر أو يضع عنه۔ (مسلم) جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ اسے قیامت کے دن کی سختی سے نجات دے تو وہ کسی تنگ دست کو مہلت دے یا معاف کردے۔

نیز فرمایا: أظله الله يوم القيامة تحت ظل عرشه يوم لا ظل الا ظله۔ (ترمذی) اللہ اے عرش کے سایے میں جگہ دے گا جسدن کے اس کے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔

ان تمام ہدایات مصطفوی کی روشنی میں اگر ایک مسلمان اپنے بیع وشراء کے معاملات کو انجام دے گا تو ان شاء اللہ یقیناً اس کی یہ تجارت اس کے لیے صرف معاش کا ذریعہ ہی نہ ہوگی بلکہ اس سے اس کے اجر وثواب میں اضافہ بھی ہوگا اور وہ ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے بھی متعارف رہے گا۔ ☆☆☆

سنن ابن ماجہ کی شروح میں ایک اور اضافہ

عبدالرشید عراقی

سنن ابن ماجہ حدیث کی مشہور کتاب ہے۔اور صحاح ستہ میں شامل ہے اور امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ کی تصنیف ہے۔علمائے عرب وعجم نے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے: اس کے شروح ،تعلیقات اور حواشی لکھے ہیں۔ پاکستان میں جماعت اہلحدیث کے نامور عالم دین شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز حفظہ اللہ (سیالکوٹ) نے ''انجاز الحاجۃ'' کے نام سے ۱۲ رجلدوں میں شرح لکھی ہے۔یہ شرح مطبوع ہے،اس شرح کا تعارف کرانے سے پہلے ضروری ہے کہ امام ابن ماجہ اور سنن ابن ماجہ کا تعارف کرایا جائے۔ (عبدالرشید عراقی)

نام ونسب: ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ القزوینی (۱)

ماجہ آپ کی والدہ کا نام تھا۔حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۹۵ھ) نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں ام ۱۳۰۷ھ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ماجہ آپ کی والدہ کا نام تھا۔(۲)

ولادت: امام ابن ماجہ ۲۰۹ء میں قزوین میں پیدا ہوئے۔(۴)

قزوین اصفہان کا مشہور شہر تھا۔اور یہ شہر علم وفن کے علماء وفضلاء کا مرکز رہا ہے(۵)

ابتدائی حالات: امام ابن ماجہ نے جب ہوش سنبھالا تو اس وقت بنوعباس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا اور خلافتِ اسلام کا گل سرسبد مامون الرشید (۱۹۸ھ- ۲۱۸ھ) سریرائے خلافت بغداد تھا: امام صاحب کا ابتدائی زمانہ اپنے وطن قزوین میں گزرا۔اور آپ نے ابتدائی تعلیم علاقے قزوین سے حاصل کی۔قزوین میں آپ نے جن نامور محدثین کرام سے استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں...

امام علی بن محمد ابوالحسن طنافسی (م ۲۳۳ھ) امام عمرو بن رافع ابوحجر بجلی (م ۲۳۷ھ)

امام اسمعیل بن ابوسہیل قزوینی (م ۲۴۷ھ) امام ہارون بن موسیٰ تمیمی (م ۲۴۸ھ)

امام محمد بن ابی خالد قزوینی (م ھ)(۶)

سماع حدیث کے لئے سفر: قزوین میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد امام ابن ماجہ نے ۲۱ رسال کی عمر میں ۲۳۰ھ اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا۔اس وقت علم حدیث انتہائی عروج پر تھا۔اور مسلمانوں کا علوم اسلامیہ کی تحصیل کے لئے سفر خصوصی شعار تھا۔ علمائے سلف کو اس سفر کے ساتھ جو غیر معمولی شغف تھا۔آج کل اس کا اندازہ لگانا بہت دشوار ہے۔

(۱) وفیات الاعیان: ۲/ ۳۰۸ (۲) عجالہ نافعہ: ص ۲۸

(۳) الحطہ فی ذکر الصحاح ستہ: ص ۲۹۵، اتحاف النبلاء: ص ۳۸۔ (۴) بستان المحدثین: ص ۱۱۳۔

(۵) الانساب: ۴/ ۴۹۳ (۶) تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۳۱۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

ومن سلك طريقا يلتمس فيه علما سهل الله له به طريقا الى الجنة (۷)

اور جو شخص علم کے راستے میں چل کر علوم حاصل کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت کی جانب (جانے کے لئے) راستہ ہموار کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث جس کو امام ترمذی اور امام دارمی نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من خرج فى طلب العلم فهو فى سبيل الله حتى يرجع (۸)

جو شخص علم کی تلاش میں نکلا، وہ واپس آنے تک اللہ کے راستہ میں ہے۔

امام ابن ماجہ نے طلب حدیث کے لئے مختلف شہروں کی خاک چھانی: مورخ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) فرماتے ہیں:

ارتحل الى العراق والبصرة والكوفة وبغداد ومكة والشام ومصر والرى لكتب الحديث. (۹)

حدیث لکھنے کے لئے عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ، شام مصر اور رے کا سفر کیا۔

ان تمام شہروں میں امام ابن ماجہ نے اساطین فن سے استفادہ کیا۔

حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے بھی امام ابن ماجہ کے سماع حدیث کے سفر کا ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

سمع بخراسان والعراق والحجاز ومصر والشام وغيرها من البلاد. (۱۰)

خراسان، عراق، حجاز، مصر، شام اور دیگر بلاد میں سماع حدیث کیا۔

وغیرھا من البلاد سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن ماجہ نے ان کے علاوہ دوسرے شہروں کا بھی سفر کیا تھا۔ جس کی تصدیق ان کے شیوخ واساتذہ سے ہوتی ہے۔

تاریخ کی کتابیں اس سلسلہ میں رہنمائی نہیں کرتیں: کہ امام ابن ماجہ نے سماع حدیث کے لئے کس کس شہر میں تشریف لے گئے۔ بہر حال ترتیب کچھ بھی ہو۔ لیکن اس وقت عراق، حجاز اور شام وہ مقامات تھے جہاں علم نبوی کے چشمے ابل ابل کر سارے عالم میں رواں دواں تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۷۲۸ھ فرماتے ہیں:

فبهذا الأمصار الخمسة الحجاز ان العراق والشام هما التى خرج منها علوم النبوة من العلوم الايمانية القرآنية والشريعة. (۱۱)

(۷) صحیح مسلم، مشکوۃ مترجم مولانا محمد صادق خلیلؒ: ۱/ ۱۲۸ (۸) جامع ترمذی وسنن دارمی مشکوۃ مترجم مولانا محمد صادق خلیلؒ: ۱/ ۱۳۵

(۹) وفیات الاعیان: ۲/ ۳۰۸ (۱۰) تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۳۱

(۱۱) منہاج السنۃ النبویہ: ۴/ ۱۴۲، (ابن ماجہ احد علم حدیث: ص ۲۹)

..... پانچ شہر مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ اور شام وہ ہیں جہاں سے علوم نبوت، علوم ایمانی، علوم قرآنی اور علوم شریعت نکلے ہیں۔

مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے اپنی کتاب ''امام ابن ماجہ اور علم حدیث'' میں (۳۰) شہروں کے نام لکھے ہیں جہاں امام ابن ماجہ تحصیل علوم اسلامیہ کے لئے تشریف لے گئے۔ اور ہر شہر کے نامور محدثین کرام سے استفادہ کیا۔

اساتذہ وشیوخ

امام ابن ماجہ کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے؛ مورخین اور علمائے اسلام نے امام صاحب کے اساتذہ کی تعداد تین سو کے قریب بتائی ہے۔

آپ کے چند مشہور اساتذہ وشیوخ یہ ہیں:

۱-علی بن محمد ابوالحسن طنافسی (م ۲۳۳ھ)
۲-عمرو بن رافع ابوحجر بجلی (م ۲۳۷ھ)
۳-اسمعیل بن ابوسہیل قزوینی (م ۲۴۷ھ)
۴-ہارون بن موسیٰ تمیمی (م ۲۴۸ھ)
۵-ابراہیم بن المنذر راسدی (م ۲۳۶ھ)
۶-محمد بن عبداللہ بن نمیر کوفی (م ۲۳۴ھ)
۷-ابوبکر بن ابی شیبہ (م ۲۳۵ھ)
۸-محمد بن رمح (م ۲۴۲ھ)
۹-ہشام بن عمار سلمی (م ۲۴۵ھ)
۱۰-محمد بن مصفی (م ۲۴۶ھ)
۱۱-محمد بن بشار (م ۲۵۲ھ)
۱۲-محمد بن مثنیٰ بصری (م ۲۵۲ھ)
۱۳-محمد بن یحییٰ ذہلی (م ۲۵۸ھ)
۱۴-یونس بن عبداللہ علی (م ۲۶۴ھ)
۱۵-ابن ابی الدنیا بغدادی (م ۲۸۱ھ) (۱۲)

تلامذہ: امام ابن ماجہ کے تلامذہ کی فہرست بھی طویل ہے۔ حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں ان کے تلامذہ کی فہرست درج کی ہے۔ (۱۳)

حدیث میں امتیاز: امام ابن ماجہ جس دور میں پیدا ہوئے۔ اس دور میں علم حدیث اسلامی ممالک میں بام عروج تک پہنچ چکا تھا۔ آپ نے پہلے اپنے وطن کے محدثین سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ اس کے بعد مختلف بلاد اسلامیہ میں جا کر اساطین فن سے استفادہ کیا، اور آپ نے اس فن میں ایسا امتیاز حاصل کیا۔ اور ایسی شہرت حاصل کی کہ ان کی علمی جلالت کا سکہ بیٹھ گیا اور اکابر محدثین کرام نے حدیث میں ان کے صاحب کمال ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

علامہ ابن خلکان ۶۸۱ھ فرماتے ہیں:

كان امام فی الحديث عزما بعلومه وجميع ما يتعلق. (۱۴)

(۱۲) تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی، تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر اور امام ابن ماجہ اور علم حدیث از مولانا عبدالرشید نعمانی سے ماخوذ ہیں (عراقی)
(۱۳) تہذیب التہذیب: ۹/۵۳۱ (۱۴) وفیات الاعیان: ۳/۳۰۸

وہ فن حدیث کے امام اور اس کے متعلقات پر عبور رکھتے تھے۔

حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

ابو عبد الله ابن ماجه صاحب السلف احد الائمة حافظ . (۱۵)

امام ابوعبداللہ ابن ماجہ صاحب سنن حافظ حدیث اور امام فن تھے۔

حافظ ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ:

امام ابن ماجہ حدیث، تاریخ وتفسیر کے ممتاز ماہر تھے (۱۶)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۹۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام ابن ماجہ ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، انہیں عراق، بصرہ، کوفہ، بغداد، مکہ، ہرات، مصر، وابط، رے اور دیگر اسلامی شہروں کا سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ حدیث کے تمام علوم سے شناسائی رکھتے تھے۔ (۱۷)

امام ابن ماجہ بحیثیت مفسر ومورخ: امام ابن ماجہ امام فی الحدیث ہونے کے علاوہ تفسیر اور تاریخ میں بھی صاحب کمال تھے۔ آپ نے علوم حدیث کی طرح تفسیر اور تاریخ میں یادگار تصانیف چھوڑی ہیں، جن کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے۔

حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ولابن ماجه تفسير حافل وتاريخ كامل من لدن الصحابة الى عصره. (۱۸)

یعنی ابن ماجہ کی ایک ضخیم وجامع تفسیر ہے اور ان کی تاریخ کامل جس میں امام صاحب نے عہد صحابہ سے لے کر اپنے زمانے تک کی تاریخ اور بلاد اسلامیہ کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

مورخ ابن خلکان (م ۶۸۱ھ) لکھتے ہیں۔

وله تفسير القرآن الكريم وتاريخ مليح. (۱۹)

ان کی قرآن مجید کی تفسیر اور شاندار تاریخ ہے۔

حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

الحافظ الكبير، الحجة المفسر ابو عبد الله ابن ماجة القزويني مصنف السنن والتاريخ والتفسير . (۲۰)

حافظ کبیر، بلند پایہ مفسر، ابوعبداللہ ابن ماجہ قزوینی صاحب سنن وتاریخ وتفسیر۔

فقہی مسلک: امام ابن ماجہ کے فقہی مسلک کے بارے میں یقینی طور پر نہیں کیا جا سکتا: کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے کس امام کے

(۱۵) تہذیب التہذیب: ۹/ ۵۳۱ (۱۶) المنتظم فی اخبار الملوک والامم: ۵/ ۹۰

(۱۷) بستان المحدثین: ص ۱۹۹ (۱۸) البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۵۲

(۱۹) وفیات الاعیان: ۴/ ۲۷۹ (۲۰) سیر اعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۷۷۔

مذہب سے وابستہ تھے: علمائے اسلام نے اس بارے میں مختلف آراء قائم کی ہیں۔ علامہ طاہر الجزائری (م ۱۳۳۸ھ) اپنی کتاب ''توجیہ النظر'' میں مختلف آراء کا ذکر کیا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں: کہ امام ابن ماجہ علماء اہلحدیث میں سے ہیں، نہ مجتہد مطلق ہیں، نہ مقلد محض۔ (۲۱)

علامہ طاہر الجزائری (م ۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

میری رائے میں بھی وہ مجتہد منتسب الی الشافعی واحمد واسحاق وابی عبید. (۲۲)

امام شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں: کہ

میرے نزدیک امام ابن ماجہ امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کی طرف میلان رکھتے تھے۔ (۲۳)

مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری (م ۱۳۵۱ھ) فیض الباری میں فرماتے ہیں: کہ ان کا مذہب بالتحقیق معلوم نہیں۔ (۲۴)

اور العرف الشذی میں فرماتے ہیں:

امام ابن ماجہ امام شافعی کے مسلک سے وابستہ تھے۔ (۲۵)

اخلاق وعادات: حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) امام ابن ماجہ کے اخلاق وعادات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ صاحب سنن (علم وفضل کی طرح تدین وتقوی اور زہد واصلاح کے جامع تھے۔ احکام شریعت کی شدت سے پابندی کرتے تھے۔ اور اصول وفروع میں پورے متبع سنت تھے۔ اس پر خود ان کی سنن شاہد ہے۔ (۲۶)

وفات: امام ابن ماجہ کی وفات کے بارے میں مولانا محمد عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں کہ:

امام ابن ماجہ کا انتقال عباسی خلیفہ المعتمد علی اللہ کے عہد میں ہوا۔ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی (م ۵۰۷ھ) لکھتے ہیں:

میں نے قزوین میں امام ابن ماجہ کی تاریخ کا نسخہ دیکھا تھا۔ یہ عہد صحابہ سے لے کر ان کے زمانے تک کے رجال اور امصار کے حالات پر مشتمل ہے اس تاریخ کے آخر میں امام ممدوح کے شاگرد جعفر بن ادریس کے قلم سے حسب ذیل تحریر ثبت تھی۔

ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ نے دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا۔ اور سہ شنبہ ۲۲ رمضان المبارک ۲۷۳ھ (مطابق ۸۸۶عیسوی) کو دفن کئے گئے۔ اور میں نے خود ان سے سنا فرماتے تھے کہ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۴ سال تھی۔ آپ کے بھائی ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ اور آپ کے.....دو برادران ابوبکر اور ابوعبداللہ اور آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے آپ کو قبر میں اتارا۔ اور دفن کیا۔ (۲۷) (جاری)

☆☆☆

(۲۱) توجیہ النظر: ص ۱۸۵ (۲۲) ایضاً۔

(۲۳) محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے: ص ۲۶۳۔ (۲۴) فیض الباری: ۱/ ۱۵۸۔

(۲۵) العرف الشذی: ص ۲ (۲۶) البدایۃ والنہایۃ: ۱۱/ ۵۲ (۲۷) امام ابن ماجہ اور علم حدیث: ص ۱۲۲، ۱۲۳

مدینہ منورہ کا ایک یادگار سفر

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

مدینۃ الرسول ﷺ میں واقع جامعہ اسلامیہ مسلمانان عالم کے لیے مملکت سعودی عرب کا ایک گرانقدر تحفہ ہے جس نے تعلیم کے میدان میں ایک تاریخ رقم کی ہے، اس ادارہ میں دنیا بھر کے مسلم طلبہ اسلامی تعلیم حاصل کرتے اور اپنے اپنے وطن واپس جا کر دین کی، علم کی، اور سماج کی خدمت انجام دیتے ہیں۔

راقم کو بھی (۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۰ء) اس عظیم یونیورسٹی کا طالب علم ہونے کا شرف حاصل ہے، ایام طالب علمی کی یادیں، مادر علمی کی محبت، اساتذہ کرام اور ذمہ داران کی شفقت، ادارہ کا بے مثال تعلیمی وتربیتی نظام، یہ تمام چیزیں ذہن کے پردے پر اس طرح مرتسم ہیں کہ ان کے تصور سے بھی ایک طرح کی لذت محسوس ہوتی ہے، اس ادارہ سے فراغت کے بعد ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا اور اس کی دوبارہ زیارت کا شرف حاصل کرنے کی شدید تڑپ تھی، اس خواہش کی تکمیل کی کچھ امید اس وقت بندھی جب جولائی ۲۰۰۹ء میں جامعہ اسلامیہ کے مدیر (وائس چانسلر) کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا، جس میں بتایا گیا تھا کہ مارچ ۲۰۱۰ء میں جامعہ کے اندر "جهود المملكة العربية السعودية في خدمة القضايا الإسلامية" کے موضوع پر ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوگا، کانفرنس کے اس مرکزی عنوان کے تحت متعدد ذیلی موضوعات کی تفصیل پر مشتمل ایک کتابچہ دعوت نامہ کے ہمراہ تھا، ان موضوعات میں سے کسی ایک پر متعدد شرائط کے ساتھ مقالہ پیش کرنے کے لیے کہا گیا تھا، ہم نے اللہ کا نام لے کر ایک موضوع کا انتخاب کیا جو اس طرح تھا: "المملكة العربية السعودية ورعايتها للعلماء المسلمين في الداخل والخارج" اور کانفرنس کی شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے متعینہ وقت پر مقالہ ارسال کر دیا، کئی ماہ کے بعد مدیر الجامعہ کی طرف سے بھیجے گئے خط کے ذریعہ یہ خوشخبری ملی کہ مقالہ کانفرنس کی کمیٹی نے منتخب کر لیا ہے، فللّٰہ الحمد، ادھر کچھ وجوہات کے سبب یہ کانفرنس مارچ میں منعقد نہ ہو سکی، بالآخر ۱۹ تا ۲۱ دسمبر ۲۰۱۰ء اس کا انعقاد طے پایا۔

سفر کی کارروائیوں کی تکمیل کے بعد ۱۸/دسمبر ۲۰۱۰ء بروز سنیچر دہلی سے ریاض ہوتے ہوئے مدینہ منورہ ایرپورٹ پر رات ساڑھے آٹھ بجے اترے، مہمانوں کا خیر مقدم کرنے اور انہیں ان کی اقامت گاہ تک پہنچانے کے لیے مدینہ ایرپورٹ پر کانفرنس کی انتظامی کمیٹی کی ایک ٹیم موجود تھی، ایرپورٹ کے استقبالیہ ہال میں مہمانوں کو بیٹھا کر کھجور اور عربی قہوہ سے ان کی ضیافت کی گئی، بعد ازاں الگ الگ کاروں میں انہیں قیام گاہ کی طرف روانہ کیا گیا، ہمیں اپنی قیام گاہ کے بارے میں پہلے تو کچھ معلوم نہ تھا، راستہ بھر یہی سوچتے رہے کہ کاش مسجد نبوی کے قریب قیام کا موقع ملے، چند منٹوں کے بعد مسجد نبوی کے چمکتے ہوئے سفید مینارے باصرہ نواز ہوئے، دھیرے دھیرے مسجد قریب سے قریب تر ہوتی گئی، بالآخر مسجد سے بہت ہی قریب ایک عالیشان ہوٹل کے گیٹ پر گاڑی رکی، وہاں بھی کانفرنس کمیٹی کے ذمہ داران استقبال کے لیے موجود تھے، ایک بار پھر کھجور

اورقہوہ سے تواضع کی گئی،اس کے بعد متعینہ کمرے میں پہنچایا گیا،ابھی تک ہمیں یہاں سے مسجد نبوی کی مسافت کا صحیح اندازہ نہیں لگ پایا تھا،اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ کمرے کی کھڑکی کے شیشے سے مسجد کے منارے بہت قریب دکھائی دے رہے ہیں،قریب جا کر دیکھا تو خوشی کی انتہا نہ رہی،ہوٹل حرم شریف سے بالکل متصل تھا،ہوٹل کے عقبی دروازے سے چند قدم پر مسجد کے صحن کے دروازے تھے،ہم نے اس نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیا،اور جلد از جلد حرم شریف پہنچنے کی تیاری میں لگ گئے، مگر میزبانوں کا اصرار تھا کہ کھانا کھالیا جائے،کھانے سے فراغت کے بعد حرم شریف پہنچے،رات کے گیارہ بج چکے تھے،مگر مسجد میں ازدحام اچھا خاصا تھا،بعض ممالک کے حجاج ابھی موجود تھے،بیس سال پہلے کی مسجد نبوی اور آج کی یہ مسجد،کافی تبدیلی آچکی تھی،قبلہ کی سمت چھوڑ کر بقیہ تینوں سمتوں میں کافی توسیع ہوچکی تھی،مسجد میں داخل ہوئے اور ایک وسیع صحن پار کرنے کے بعد تعمیر شدہ حصے میں داخل ہوئے،دروازوں کے نام ہمارے لیے اجنبی تھے،تعمیر شدہ حصے میں قبلہ کی طرف کچھ دیر چلنے کے بعد وہ جگہ نظر آئی جہاں بیس سال قبل مسجد کی حد تھی،تحیۃ المسجد وغیرہ سے فراغت کے بعد قبر نبوی اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبروں کی مسنون زیارت کی اور سلام ودعا کے مسنون الفاظ کا نذرانہ پیش کیا،کچھ دیر مسجد میں ٹھہرنے کے بعد شاداں وفرحاں اپنے ہوٹل واپس پہنچے،رات میں آرام کرنے کے بعد فجر کی نماز باجماعت کے لیے مسجد پہنچے،نماز وغیرہ سے فراغت کے کچھ دیر بعد ہوٹل واپس آئے،کمرے میں پہنچتے ہی کانفرنس کا ایک نمائندہ ایک بریف کیس لے کر حاضر ہوا،جس میں کانفرنس کے مطبوعہ مقالات کے علاوہ کانفرنس کے پروگرام وغیرہ کی تفصیلات بھی موجود تھیں،کانفرنس کے لیے منظور شدہ (۱۰۱) مقالات کل (۸) جلدوں میں چھاپے گئے تھے،ان کے علاوہ ایک مستقل جلد میں مقالات کا خلاصہ اور مقالہ نگاران کا تعارف شائع کیا گیا تھا۔

تین دن تک چلنے والی اس کانفرنس کا افتتاحی پروگرام ۱۹/دسمبر بروز اتوار صبح گیارہ بجے ہونا تھا،ہوٹل سے مہمانوں کو ساڑھے دس بجے سے بسوں اور کاروں سے جامعہ اسلامیہ لے جایا گیا،کانفرنس کا افتتاح خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے نائب کی حیثیت سے سعودی عرب کے وزیر التعلیم العالی ڈاکٹر خالد بن محمد عنقری نے کیا،اس کے بعد علی الترتیب مقالات کی تلخیص پیش کرنے کے لیے تینوں دن کل نو نشستیں منعقد ہوئیں،ہر نشست ڈیڑھ گھنٹہ کی ہوتی تھی اور ہر نشست میں ۱۰/تا ۱۲/مقالوں کا خلاصہ پیش کیا جاتا،کانفرنس کے پروگراموں کی تازگی اور نشاط برقرار رکھنے کے لیے مقالات کی نشستوں کے علاوہ کچھ مکالماتی پروگرام بھی رکھے گئے تھے،جن میں بڑے بڑے وزراء ورؤساء وغیرہ شرکت کرتے تھے اور متعینہ موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے،ان ہی پروگراموں کے دوران متعلقہ موضوع سے متعلق دستاویزی فلمیں بھی دکھائی جاتی تھیں جو تاریخی معلومات سے پر اور بے حد معلوماتی ہوتی تھیں،مکالماتی نشستوں کی تعداد کل چار تھی،ہر نشست کے اختتام پر شرکاء وحاضرین کو بھی سوال یا اظہار خیال کا موقع دیا جاتا تھا جسے کانفرنس کی اصطلاح میں ''مداخلہ'' اور ''مشارکہ'' کا نام دیا جاتا تھا۔

واضح رہے کہ جامعہ کو اس کانفرنس کے لیے سعودی عرب سمیت مختلف ممالک سے کل (۱۲۶) مقالے موصول ہوئے تھے،جن میں سے کل (۱۰۱) مقالے کانفرنس کے معیار پر پورے اترے اور قابل اشاعت قرار پائے،ان میں سے (۲۲)

مقالے خواتین کے تیار کردہ تھے، خواتین کا انتظام جامعہ کی شاخ مدرسہ دارالحدیث مدنیہ کے اندر ایک ہال میں کیا گیا تھا، جہاں کانفرنس کی پوری کارروائی براہ راست ٹی وی کے ذریعہ پہنچانے کا انتظام تھا، خواتین اسی مقام سے مائیکروفون سے سوالات وغیرہ کرتی تھیں اور کانفرنس ہال سے اس کا جواب دیا جاتا تھا۔

کانفرنس بڑے پیمانے کی تھی، اور مملکہ اور باہر کی بڑی اہم شخصیات نے اس میں شرکت کی، جن میں سے چند شخصیات کے اسماء یہ ہیں: امیر ترکی الفیصل بن عبدالعزیز، رئیس مجلس ادارۃ مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ، ڈاکٹر عبدالعزیز بن محی الدین خوجہ، وزیر الثقافۃ والاعلام، امیر عبدالعزیز بن ماجد بن عبدالعزیز، امیر مدینہ منورہ، ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید، رئیس مجلس القضاء الاعلی، وامام وخطیب حرم مکی، شیخ علی بن عبدالرحمٰن الحذیفی، امام وخطیب مسجد نبوی، ڈکٹر صالح بن عبداللہ العبید، سابق وائس چانسلر جامعہ اسلامیہ۔ ڈاکٹر احمد عمر ہاشم، سابق رئیس جامعۃ الازھر مصر، ڈاکٹر محمد علی محجوب، سابق وزیر اوقاف، مصر، علامہ یوسف القرضاوی، ڈاکٹر احمد محمد ھلیل، قاضی قضاۃ اردن، ڈاکٹر محمد ہدایت نور وحید، سابق رئیس مجلس شوری، انڈونیشیا، عبدالرحمٰن بن حمد العطیہ، جنرل سکریٹری مجلس التعاون الخلیجی، ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلی، جنرل سکریٹری منظمۃ المؤتمر الاسلامی، احمد بن حلی، نائب سکریٹری جامعۃ الدول العربیۃ، الخ۔

جامعہ کے وائس چانسلر ڈاکٹر محمد بن علی العُقلا بڑے ہی متواضع، ملنسار، ہنس مکھ اور بے تکلف شخصیت کے حامل ہیں، کسی طرح کا طمطراق، نہ بچ بچاؤ، بہ نفس نفیس کانفرنس سے متعلق تمام معاملات دیکھ رہے ہیں، کانفرنس ہال، ڈائننگ ہال، ہوٹل ہر جگہ مہمانوں سے پہلے پہنچے رہتے تھے، کہیں کسی موقع پر ان تین دنوں میں ان کو غیر حاضر یا مسبوق نہیں پایا گیا، آپ کے ساتھ جامعہ کے دیگر ذمہ داران واساتذہ بھی پوری مستعدی کے ساتھ نظم ونسق سنبھالے ہوئے تھے، کہیں کسی طرح کی کمی، بے ترتیبی اور بدنظمی دیکھنے کو نہیں ملی۔

جامعہ اسلامیہ جہاں میں نے تعلیمی زندگی کے پورے چار سال گزارے تھے، وہاں کے چپے چپے سے ایک تعلق تھا، بیس سال گزر جانے کے بعد ظاہر بات ہے وہاں بہت ساری تبدیلیاں آچکی تھیں، خاص طور سے تعمیرات کے میدان میں، جس کی وجہ سے وہاں کا نقشہ ہی میرے لیے بڑی حد تک بدلا ہوا تھا، بیس سال قبل کا جامعہ اسلامیہ اور اب کا جامعہ اسلامیہ، بہت ساری جگہوں کو پہچاننے میں دشواری ہو رہی تھی، اس موقع پر مجھے زہیر بن ابی سلمی کا یہ شعر یاد آرہا تھا:

وقفت بها من بعد عشرين حِجة فلأيا عرفتُ الدارَ بعد توهم

(میں وہاں بیس سال بعد ٹھہرا تھا، تو میں بڑے غور وخوض کے بعد مشکل سے گھر کو پہچان سکا)

جامعہ اسلامیہ میں جامعہ سلفیہ کے فارغین کی اچھی خاصی تعداد زیر تعلیم ہے، ان کی خواہش پر ان کے ساتھ ایک نشست کا انعقاد ہوا اور تعلیم وغیرہ سے متعلق مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا، طلبہ نے بتایا کہ اس وقت جامعہ سلفیہ کے (۳۹) فارغین جامعہ اسلامیہ میں مختلف مراحل میں زیر تعلیم ہیں، ابنائے سلفیہ کی ایک یونٹ وہاں قائم ہے جو وقتاً فوقتاً اجتماع کرتی ہے

اور اپنی مادر علمی سے بھی وہ طلبہ اسی یونٹ کے ذریعہ رابطہ میں رہتے ہیں، جامعہ کے طلبہ نے اس ملاقات پر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا، انہوں نے اپنی مادر علمی جامعہ سلفیہ سے والہانہ عقیدت کا بھی اظہار کیا اور تعلیم وتربیت اور ماہنامہ محدث اور صوت الامۃ سے متعلق مختلف تجویزیں اور مشورے بھی دیئے، جامعہ سے متعلق طلبہ کے جذبات قابل قدر ہیں، وہ اپنے جامعہ کو تعلیمی، تربیتی، دعوتی اور تحقیقی میدانوں میں اعلی مقام پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

جامعہ کی سہ روزہ کانفرنس ۲۱ر دسمبر بروز منگل عصر کے وقت اختتام کو پہنچی، اسی روز ہمیں مطلع کیا گیا کہ کل صبح کانفرنس کے مہمانوں کو بغرض عمرہ مکہ معظّمہ لے جایا جائے گا، ہم اگر چہ کہ مدینہ میں ایک آدھ روز اور رکنا چاہتے تھے مگر مکہ کی نداء نے ہمارے اندر ایک دوسرا جوش پیدا کر دیا تھا، رات ہی میں سامان وغیرہ سمیٹ لیا گیا اور صبح ۹ر بجے مکہ کے لیے عازم سفر ہوئے، عصر کے وقت ہمارا قافلہ مکہ میں داخل ہوا، یہاں بھی حرم مکی سے بہت قریب ایک عالیشان ہوٹل میں قیام تھا، کھانے سے فراغت کے بعد سیدھے عمرہ کی ادائیگی کے لیے حرم شریف پہنچے، مکہ معظّمہ میں بھی ہماری تعلیمی زندگی کے تین سال گزر چکے ہیں، وہاں حرم شریف اور اردگرد کے تمام مقامات وعلامات جن سے ہماری انسیت تھی، اب بالکل بدل چکے تھے، حرم کا پورا احاطہ کافی حد تک تبدیلیوں سے محفوظ تھا، مگر باہر کچھ دور تک سترہ سال پہلے والی کوئی عمارت اور کوئی علامت دیکھنے میں نہ آئی، ہر طرف فلک بوس ہوٹلوں کی عمارتیں اور شاپنگ کمپلیکس بن چکے تھے، ان بلند وبالا عمارتوں کو پار کرنے کے بعد کچھ دور پر پہلے والی عمارتوں اور دکانوں کا سلسلہ نظر آیا جسے دیکھ کر کچھ تسلی ہوئی اور بہت ساری پرانی یادیں ذہن کے نقشے پر ابھر آئیں۔

مکہ میں ۲۴ر دسمبر بروز جمعہ کی شام تک ہمارا قیام تھا، جمعرات کی صبح منی، مزدلفہ، عرفات وغیرہ دیکھنے گئے، منی میں جمرات جہاں ایام حج میں کنکری ماری جاتی ہے اور جہاں زبردست بھیڑ کی وجہ سے عموماً ہر سال کچھ حادثے ہو جایا کرتے تھے اس پر قابو پانے کے لیے حکومت سعودیہ نے اسے پانچ منزلہ بنا دیا ہے، پہلے یہ صرف دو منزلہ تھا، اب پانچ منزل ہو جانے کی وجہ سے بڑی حد تک اس ازدحام کو کنٹرول کر لیا جاتا ہے، جمرات کا کھمبا جسے کنکری مارتے ہیں پہلے بمشکل دو فٹ چوڑا رہا ہوگا، اب اسے کئی میٹر چوڑا بنا دیا گیا ہے، اس کی وجہ سے بھی ایک وقت میں پہلے سے کہیں زیادہ حاجی کنکری مار لیتے ہیں۔

وادی منی میں جہاں پہلے حج کے ایام میں حاجیوں کے قیام کے لیے موٹے کپڑے کے خیمے لگائے جاتے تھے اور اکثر یہ خیمے آتشزدگی کا شکار ہو جاتے تھے، حکومت سعودیہ نے وہاں اب فائر پروف خیمے نصب کرا دیے ہیں، جن میں اے.سی. کی بھی سہولت رہتی ہے، یہ خیمے مستقل طور پر وہاں نصب کر دیے گئے ہیں، دس بارہ سال قبل منی میں ایام حج میں زبردست آگ لگ گئی تھی، جس میں بہت سارے حاجی جاں بحق ہو گئے تھے، اور ایک بڑی تعداد بری طرح جھلس گئی تھی، اسی حادثہ کے بعد حکومت نے ایک خطیر رقم خرچ کر کے وہاں فائر پروف خیمے لگوا دیئے۔

ایک قابل ذکر چیز جس کے بارے میں پڑھا اور سن رہے تھے اس کا بھی مشاہدہ کیا ،یعنی میٹرو ریل کا نظام جو مکہ سے منی ومزدلفہ ہوتے ہوئے عرفات کے میدان تک جاتا ہے، عام طور سے عازمین حج حرم شریف سے منی، پھر منی سے مزدلفہ، اور عرفات

اور پھر ان مقامات سے واپسی، یہ سارا سفر بسوں کے ذریعہ کرتے تھے، زبردست ازدحام کی وجہ سے یہ گاڑیاں گھنٹوں پھنسی رہتی تھیں اور حجاج تکلیف میں رہتے تھے، میٹرو ریل اس کا بہترین حل ہے، ابھی اس سال تجرباتی طور پر ایک محدود تعداد کو میٹرو کی سواری کی اجازت دی گئی تھی، امید ہے کہ آئندہ موسم حج میں پورے طور پر اس نظام سے استفادہ کیا جائے گا، معلوم ہوا کہ آئندہ کے پروگرام میں جدہ، مکہ اور مدینہ کو بھی میٹرو نظام سے جوڑنے کا منصوبہ ہے، اس کی تنفیذ کے بعد کافی سہولت ہو جائے گی۔

میدان عرفات سے قریب جامعہ ام القری کا نیا کیمپس بن کر لگ بھگ تیار ہو چکا ہے اور جامعہ کے اکثر شعبے وہاں منتقل ہو چکے ہیں، جامعہ کے ایک طالب علم کے ساتھ اس کیمپس کے بعض حصوں کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔

جامعہ ام القری کے ہندستانی طلبہ نے ایک نشست کے انعقاد کی خواہش ظاہر کی، جمعرات کے دن بعد نماز عصر عزیزیہ علاقے میں ایک ہاسٹل میں طلبہ اکٹھا ہوئے، ہمارے رفیق سفر شیخ محمد ارشد مدنی (جامعہ ابن تیمیہ بہار) بھی ساتھ تھے، دونوں کا مختصر خطاب ہوا اور مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال بھی ہوا، یہاں کے طلبہ بھی ہندستانی مدارس میں تعلیم وتربیت کے نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے فکرمند نظر آئے، ذمہ داران مدارس کو اس جانب توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے، ہم امید رکھتے ہیں کہ سعودی جامعات میں زیر تعلیم یہ طلبہ بھی وہاں سے فراغت اور واپسی کے بعد وطن کے مدارس وجامعات کو اپنی توجہ کا مرکز بنائیں گے، اور وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے حسب ضرورت اصلاح کی کوشش کریں گے۔

مکہ میں قیام کے دوران ڈاکٹر وصی اللہ محمد عباس صاحب، ڈاکٹر اختر جمال صاحب اور شیخ عزیر شمس صاحب سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا، ڈاکٹر عبدالعلیم حفظہ اللہ سے فون سے رابطہ ہوا، گھر جا کر ان سے ملاقات کی خواہش تھی مگر وقت کی تنگی کے سبب پوری نہ ہو سکی۔

حرمین شریفین کی زیارت پر مشتمل یہ بہت کامیاب اور بڑا یادگار سفر رہا، وقت کی تنگی کے سبب تشنگی باقی رہی، اور بہت سے کرم فرماؤں اور جگہوں کی زیارت نہ ہو سکی، پھر بھی ہم اللہ رب العالمین کے شکر گزار ہیں کہ محض اس کی توفیق سے ایک طویل عرصے کے بعد مقامات مقدسہ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور ایک علمی پروگرام کے حوالے سے مادر علمی میں قدم رنجہ ہونے کا شرف حاصل ہوا، بہت سے شاگردوں، دوستوں اور عزیزوں کی عنایتیں حاصل رہیں، اہل علم وفضل کے حوصلہ افزا کلمات، دعائیں، نصیحتیں اور شفقتیں موصول ہوئیں، بہت سارے علمی، دعوتی اور تحقیقی موضوعات پر تبادلۂ خیال کا موقع میسر ہوا، میں ان تمام عزیزوں، ساتھیوں اور بزرگوں کا نام لیے بغیر شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے الطاف وعنایات اس پورے سفر میں حاصل رہے، جزاھم اللہ خیرا۔

۲۵ر دسمبر بروز سنیچر بوقت سحر ۳ر بجے جدہ سے دہلی کے لیے فلائٹ تھی، ریاض میں ایک گھنٹہ کا وقفہ تھا جسے ہمیں جہاز ہی میں گزارنا تھا، صبح سوا گیارہ بجے دہلی ایرپورٹ پر اترے، اسی روز شام بذریعہ شیوگنگا ایکسپریس بنارس کے لیے روانہ ہوئے اور ۲۶ر دسمبر کی صبح تقریباً دس بجے جامعہ سلفیہ پہنچے اور معمول کے کاموں کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے، فالحمدللہ اولا وآخیرا۔ ☆☆

وہابی تحریک کی سرگرمیاں

(قسط:۱۱)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اصل موضوع پر روشنی ڈالنے سے پہلے دوآبہ کا مختصر تعارف پیش کروں۔

تعارف دوآبہ: صوبہ اتر پردیش صدیوں ہندوستانی تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہا ہے، جغرافیائی اور تاریخی اعتبار سے یہ صوبہ ہندوستان میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ صوبہ تین طبعی خطے میں بٹا ہوا ہے۔

۱- شمالی پہاڑی علاقہ ۲- جنوبی پہاڑیاں اور سطح مرتفع ۳- گنگا کا میدان۔ آخرالذکر میں دوآبہ آتا ہے۔

ہندوستان میں بالعموم دو بڑے دریاؤں کے درمیان پھیلے ہوئے علاقے کو دوآبہ کہتے ہیں، یہ ان دونوں دریاؤں کے پھیلائی ہوئی مٹی سے بنا ہوتا ہے لیکن اس اصطلاح سے اکثر گنگا اور جمنا کے درمیان کا علاقہ مقصود ہوتا ہے۔[۱] اس کے مشہور اضلاع ومقامات مندرجہ ذیل ہیں:

اتر کاشی، یمنا نگر، سہارنپور، مظفرنگر، بجنور، میرٹھ، نوئیڈا، غازی آباد، بلند شہر، علی گڑھ، کاس گنج، متھرا، ایٹہ، مین پوری، فیروز آباد، کانپور، فتح پور، باندہ، الہ آباد وغیرہ۔

اصلاحی سرگرمیاں: جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ وہابی تحریک کی جڑیں شاہ ولی اللہ سے گزر کر مجدد الف ثانی تک پیوست ہیں، لیکن اس درخت کی آبیاری سید احمد شہید کی قیادت میں ہوئی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسی سرزمین دوآبہ کی زرخیز مٹی کے خمیر سے اٹھ کر تجدید اصلاح کا بیڑا اٹھایا تھا، گویا کہ عہد ولی اللہ سے ہی وہابی تحریک کی اصلاحی کوششیں سرزمین دوآبہ کی رہین منت تھیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے نہ صرف دوآبہ بلکہ ہندوستان کے اکثر حصوں میں قال اللہ وقال الرسول کی صدا پہونچائی، تصوف کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں مدرسہ سنت نبوی کے قندیل کو فروزاں رکھا اور سارے ہندوستان میں شاگردوں کا جال پھیلا دیا، آپ کے بعد آپ کی اولاد میں ایک سے بڑھ کر ایک یگانۂ روزگار پیدا ہوئے، جنہوں نے برابر شمع رسالت کو روشن رکھا، سرزمین دوآبہ میں علماء کی ایک ایسی جماعت تیار کردی جو اپنے اپنے علاقوں میں علمی سند کی حیثیت رکھتے تھے اور لوگوں کی ہدایت کا مرجع بنے رہے، لیکن سرزمین دوآبہ میں حقیقی معنوں میں اس وقت اصلاحی وتربیتی امور انجام پائے جب سید احمد شہید رحمہ اللہ نے یہاں سے تحریک کا آغاز کیا، سید صاحب کے وارد ہوتے ہی اصلاح وہدایت کی بارش ہونے لگی، شرک وبت پرستی، الحاد وبے دینی کا موسم خزاں توحید وسنت کے بہار سے بدل گیا، قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں گونجنے لگیں اور

(۱) جامع اردو انسائکلو پیڈیا: ۲۳۰/۴ (سماجی علوم، جغرافیہ)

پورے معاشرے پر اسلامی فضا قائم ہوگئی، آپ سے بیعت کرنے والوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ بسا اوقات دستار کا سہارا لینا پڑتا، قیام نانوتہ میں ایک عقیدت مند کا بیان ہے کہ: ''میری آنکھوں میں اب تک وہ منظر پھر رہا ہے کہ سید صاحب جامع مسجد کے وسط در میں کھڑے ہیں، اپنی دستار اتار کر ایک سرا اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور دستار کو دونوں جانب سے طالبان فیض نے تھام لیا، دستار کی شکل کنکھجورے کی سی معلوم ہوتی تھی۔ [۱]

سید صاحب کی بیعت جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ چشتیہ، قادریہ اور نقشبندیہ کے علاوہ ایک خاص طریقۂ محمدیہ'' کے تحت ہوا کرتی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ مکمل طور سے ''وما آتاکم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا'' [۲] کے مصداق بن جاؤ، ایک موقع پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''بھائیو! حاصل بیعت یہ ہے کہ تم لوگ جو شرک و بدعت کرتے ہو، طغرے بناتے ہو، نشان کھڑا کرتے ہو، پیروں، شہیدوں کی قبروں کی پوجا کرتے ہو ان کی نذر و نیاز مانتے ہو ان سب کاموں کو چھوڑ دو اور سوائے خدا کے کسی کو اپنے نفع وضرر کا مالک نہ جانو اگر یہ نہ کرو گے تو فقط بیعت کرنے سے کچھ نہ حاصل ہوگا۔ [۳] ان اصولوں کے پیش نظر آپ اہل دوآبہ کی اصلاح وتبلیغ کا سامان کرتے رہے۔ اس کے لئے آپ نے مختلف دورے بھی کئے اور آپ کے رفقاء بھی جہاں رہے اس امر کو ملحوظ رکھا۔ فیض احمد بھٹکلی ندوی رقمطراز ہیں کہ:

''اب سید صاحب نے مستقل تنظیم جہاد کا فیصلہ فرمایا اور راز خود جہاد کی تیاریاں شروع کیں، مگر اس کے لیے پہلے ہندوستان کی فضا سازگار بنانے کی ضرورت تھی، تا کہ جو مجاہدین ہیں وہ محض لڑنے والوں کا گروہ یا مال غنیمت کی حریص کوئی جماعت نہ ہو بلکہ قرآن کی بولتی تصویر اور شاہ عبدالعزیز اور سید صاحب کے خوابوں کی تعبیر ہو جو جذبۂ جہاد سے سرشار، جان و مال کی قربانی کے لئے تیار وفا شعار اور اطاعت گزار ہو، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے وسیع پیمانہ پر اصلاحی و دعوتی دورے کئے، ملک بھر میں اپنے کارندے پھیلائے حتی کہ سید صاحب نے جنوبی ہند کے دور دراز علاقوں تک اپنے رفقاء بھیجے...... جس کا مقصد رسوم و بدعات کی مخالفت اور مقابلہ، سنت کی حمایت و اشاعت شعائر اسلام کی حفاظت، اسلامی طرز زندگی کا احیاء، غیر ملکی اقتدار سے نفرت اور جذبہ وجہاد کو فروغ دینا تھا۔ [۴]

اس تربیت اور اصلاحی کوشش کا ثمر سرحد پر جنگوں کے دوران نظر آتا ہے، ایک طرف غیر مہذب اور اسلامی شعار سے کورے قبائلی مجاہدین جو مال و دولت کے حریص ہوتے تھے، جنگ کا اصلی مقصد ان کی نظر میں مال غنیمت سمیٹنا ہوتا تھا اور دوسری طرف یہ ہندوستانی مجاہدین تھے، جو خالصۃ لوجہ اللہ جہاد کرتے تھے، ان اصلاحی کوششوں کے ثمرات کا تخمینہ لگانے کے لئے آپ کے دوروں پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

دورۂ دوآبہ: یہ آپ کا پہلا تبلیغی دورہ تھا، جس کے دو بنیادی مقاصد تھے۔ (۱) مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح

(۱) سید احمد شہید، ص:۱۲۸۔ (۲)
(۳) سید احمد شہید ص:۱۸۹۔ (۴) تحریک آزادی میں علماء کا کردار: ۳۲۲/۱ تا ۳۲۳۔

(۲) دعوت جہاد کی پذیرائی۔ چھ مہینہ کی طویل مدت اس میں صرف ہوئی، رفقائے سفر میں حافظ قطب الدین پھلتی، شیخ ولی محمد پھلتی، شیخ صلاح الدین پھلتی، شیخ پیرالہ آبادی، پیر محمد حجام اور محسن خاں دونوں رائے بریلوی، مولوی عبدالحق بڈھانوی اور شاہ اسماعیل شہید وغیرہ تھے، جن جن مقامات پر قیام فرمایا وہ درج ذیل ہیں:

معروف مقامات: غازی الدین نگر (غازی آبادی) مراد آباد، میرٹھ، سردھنہ، کاندھار، بڑھانہ، پھلت، مظفر نگر، دیوبند، گنگوہ، نانوتا، تھانہ بھون، رام پور لہاری، سہارنپور، رینٹھ۔

غیر معروف مقامات: شکار پور، ایسوبی، وامثل، تولی، پاٹلی، ایڑنی، کھروی، بسوالی، چولی، بھوپاڑی، شیخ پور، املیا، سویری، لاکہ نور، چل کانہ، بھرسور وغیرہ۔ اس کے علاوہ نگینہ اور شیر کوٹ کے بھی نام آتے ہیں۔ ان میں سے غازی آباد میں پانچ دن، میرٹھ میں پندرہ دن، بڑھانہ میں بارہ دن، پھلت میں سترہ دن، دیوبند میں دس دن، سردھنہ میں تین دن، سہارنپور میں خاصی مدت اور باقی جگہ ایک ایک دو دو دن قیام فرمایا۔[۱]

قابل ذکر واقعات: غازی آباد میں تقریباً دوسو آدمیوں نے استقبال کیا، پہلے دن حافظ عبداللہ امام مسجد، شیخ عبدالرحمٰن، شیخ رمضان اور عبدالشکور خان سے بیعت کی اور پھر طلبگاران فیض کا اتنا ہجوم ہوا کہ سید صاحب کو پانچ روز تک ذرا سی دیر بھی آرام کی نوبت نہ ملی، مرادنگر میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے صاحبزادے مولوی ابوالقاسم تھانیدار تھے، وہ برقندازوں سمیت بیعت سے مشرف ہوئے، میرٹھ میں قاضی احمداللہ نے پچاس آدمیوں کے ساتھ استقبال کیا، بیعت کرنے والوں میں ممتاز حضرات یہ تھے، داروغہ محمد راحم، منشی محمدی انصاری، مولوی محمد بخش (پندرہ متوسلین کے ساتھ) مولوی خدا بخش، قدن خان، صدرالدین، اوران کے بھائی کریم بخش روٹی والے اور محمد تقی قصاب وغیرہ تھے۔

سردھنہ میں پچیس آدمیوں نے پیشوائی کی، ممتاز اصحاب میں سے شیخ بلند بخت دیوبندی، منشی خواجہ محمد حسن پوری، حافظ امان اللہ، ننھے خان ظفر اللہ، پیر خاں، داراب خاں، وغیرہ نے بیعت کی۔ بڑھانہ میں مولوی عبدالحئی، شاہ اسماعیل، مولوی محمد یوسف، مولوی وحیدالدین، شیخ سعدالدین، شیخ علاءالدین وغیرہ پہلے سے موجود تھے۔ میانجی نظام الدین چشتی اور شیخ محمد حسن اور دوسرے اکابرین نے دعوت کی۔

پھلت میں شیخ ولی محمد پھلتی کے مکان پر ٹھہرے، شیخ ولی محمد کے والد شیخ محمد فضیل شیخ غلام محمد، محمد عارف، حافظ غلام علی، حافظ معین الدین، حافظ احمدالدین، عبدالعلی، حافظ محمد عثمان برادر، مولوی محمد یوسف وغیرہ نے دعوت کی۔

مظفر نگر دیوبند اور املیا میں جن لوگوں نے بیعت کی ان میں سے ممتاز حضرات درج ذیل ہیں:

قاضی نجم الدین نے پندرہ آدمیوں کے ساتھ بیعت کی۔ مولوی شمس الدین، قاضی عظیم اللہ، شیخ رجب علی اوران کے فرزند منور علی، حافظ عبداللہ اوران کے بھائی نظام الدین اور کریم الدین، ان کے والد امام بخش، کرامت حسین، محمد ماہ، شیخ چاند،

(۱) سید احمد شہید ص: ۱۲۴-۱۲۵۔

مولوی فریدالدین، مولوی بشیراللہ اور سید محمد حسین وغیرہ نے بیعت کی، سہارنپور میں شاہ عبدالرحیم ولایتی بڑے پیر مانے جاتے تھے، خود بھی بیعت کی اور مریدوں کو بھی حکم دیا، مولوی شاہ رمضان رڑکی والے بھی سہارنپور میں بیعت ہوئے تھے، یہ مجاہدین کا ایک قافلہ لے کر سرحد پہونچے تھے، کاندھار میں مفتی الٰہی بخش اور ان کے صاحبزادے، مولوی محمد زکریا اور مولوی محمد حسین وغیرہ نے بھی بیعت کی۔ (۱)

دورہ کانپور: کان پور کی سمت میں سید صاحب کا دو دورہ ہوا، پہلے دورے کے سلسلے میں محض موراتیں میں قیام کے کچھ حالات معلوم ہوئے ہیں، موراتیں ہی میں چار دوست ''اللہ بخش''، شمشیر خاں، مہربان خاں اور شیخ رہنان نے آپ سے بیعت کی، چاروں نے جہاد میں شرکت بھی کی، کانپور میں آپ نے چھاونی پر قیام کیا، مرزا عبدالقدوس نے بیعت کی۔ (۲)

دوسری مرتبہ آپ نے کانپور کے اطراف کا دورہ اس وقت کیا جب حج کا ارادہ فرما چکے تھے، رائے بریلی سے چل کر آپ پٹھور، موراتیں، رنجیت پور وغیرہ میں ٹھہرتے ہوئے کانپور پہونچے، حالات سفر کی زیادہ تفصیل نہیں ملتی اس زمانے میں کانپور کے دو قصاب بہت دولت مند اور صاحب اثر مانے جاتے تھے۔ ایک عبداللہ اور دوسرا اس کا بھائی ''محمد تقی'' محمد تقی پہلے بیعت کر چکا تھا، عبداللہ نے اب بیعت کی ان دونوں کی وجہ سے کان پور کے بہت سے لوگ بیعت کئے۔ ان میں محمد بخش رفوگر اور ان کے بھائی حسین بخش کا بھی نام آتا ہے۔ (۳)

یہ تینوں دورے خالص دعوتی تبلیغی اور اصلاحی دورے تھے، جناب مسعود عالم ندوی رقم طراز ہیں کہ: ''سید صاحب اور ان کے رفقاء نے ۱۲۳۱ھ اور ۱۲۳۶ھ کے درمیان میرٹھ مظفرنگر، سہارنپور، اور شمالی ہند کے بعض دوسرے اضلاع کا دورہ کیا، لوگوں کو توحید اور اصلاح بدعات کی تلقین کی لاکھوں نے بیعت کی اور ہزاروں آپ کی تبلیغ سے حلقۂ بگوش اسلام ہوئے۔ (۴) اور دوروں میں تبلیغی کوششیں کس قدر ثمر آور ہوئیں، کتنے لوگ راہ یاب ہوئے اور کتنے گمراہ افراد ضلالت کی تاریکیوں سے نکل کر روشن شاہ راہ ہدایت پر گامزن ہوئے، ان دوروں کی کیفیات پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دوران سفر آپ کی جانب لوگوں کا میلان یہ پتہ دیتا ہے کہ ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، شرک و بت پرستی سے تائب ہوئے، گناہوں کو ترک کر کے اللہ والے بن گئے کتنی مسجدیں ویران تھیں، آباد ہوگئیں، قیام غازی آباد میں کتنے لوگ ہدایت یاب ہوئے، یہ بتانا مشکل ہے اس لیے آپ کو پانچ دن مسلسل آرام کرنے کا موقع نہ ملا اور آپ سے لوگ مسلسل بیعت کرتے رہے، قیام نانوتہ کی بھی کچھ یہی کیفیت تھی کہ دستار کا سرا پکڑ کر بیعت کرتے رہے، سہارنپور میں شاہ عبدالرحیم ولایتی مشہور پیر تھے، مع مریدین کے بیعت کیا چونکہ تاریخی اوراق میں صرف مذکورہ حالات ہی ضبط ہو سکے اور بقیہ مرور زمانہ کے نظر ہو گئے، اس لئے تفصیل اور صحیح شمار بتانا مشکل ہے، صرف تخمینہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔ (جاری)

☆☆☆

(۱) سید احمد شہید ص ۲۸-۱۲۹۔ (۲) سید احمد شہید ص: ۱۵۹۔
(۳) حوالہ سابق ص: ۱۵۹-۱۶۰۔ (۴)

مذاہب وادیان

ہندومت

(قسط:۴) مولانا محمد مستقیم سلفی

مہابھارت:

یہ کتاب سنسکرت زبان میں ہے،اس کتاب کے مصنف ''ویاس جی'' ہیں،اس جنگ کا آنکھوں دیکھا حال انھوں نے اپنی اس کتاب میں تحریر کیا ہے،اس جنگ کا وقوع تقریبا نوسو پچاس سال (۹۵۰) قبل مسیح ہوا ہے، یہ کتاب ایک لاکھ اشعار پر مشتمل ہے جس میں جنگ کے مختلف النوع کردار کو اجاگر کیا گیا ہے، دراصل یہ جنگ ''نیشا پور'' کے دو خاندانوں کے درمیان واقع ہوئی تھی، واقعہ یہ ہے کہ ''نیشا پور'' میں خاندان کورو کا، بادشاہ ''شانتنو'' کو پہلی بیوی سے ایک بیٹا ''بھیشم''، اور دوسری بیوی سے دو بیٹے چترانگد اور وچتر ویر تھے، بھیشم نے عمر بھر مجرد رہنے کا عہد کیا تھا،اور چترانگد کا شادی سے قبل ہی انتقال ہوگیا تھا، وچتر ویر کے دو بیٹے دھرت راشٹر اور پانڈو تھے، جن میں سے اول الذکر پیدائشی نابینا تھا، وچتر ویر کے انتقال کے بعد دھرت راشٹر کو حکومت ملی،لیکن پانڈو نے تمام انتظامات سنبھالے، پانڈو کا انتقال دھرت راشٹر کی زندگی ہی میں ہوگیا اور اس نے پانچ بیٹے (۱) یودھشٹر (۲) بھیم (۳) ارجن (۴) نکل (۵) سہدیو چھوڑے، جن میں سے اول الذکر تین پانڈو کی پہلی بیوی کنتی سے تھے اور موخر الذکر دو بیٹے دوسری بیوی مادری سے تھے اور یہ دونوں تو اُم تھے، دھرت راشٹر کے سو بیٹے تھے جن میں سب سے بڑا دریودھن تھا، پانڈو کے انتقال کے بعد بھیشم نے شہزادوں کے سن بلوغ کو پہنچنے تک حکومت کے انتظامات کو سنبھالنے کا ذمہ لیا، اور اس وقت تک درونا اچاریہ کے ذریعہ ان کی تعلیم کا معقول انتظام کیا، جب شہزادے سن بلوغ کو پہنچے تو یہ سوال پیش ہوا کہ دریودھن اور یودھشٹر میں سے کس کو حکومت ملے، خاندان کے بزرگوں نے سلطنت کی تقسیم کا مشورہ دیا، اور دھرت راشٹر نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا، لیکن دریودھن نے جو لالچی اور بدطینت تھا خفیہ طور پر منصوبہ بنایا اور قمار بازی کے ذریعہ یودھشٹر سے سلطنت چھین لی اور یہ شرط پیش کی کہ پانڈو کے سب بیٹے بارہ سال تک جنگل میں جلاوطن رہیں اور اس کے بعد ایک سال تک گمنامی کی زندگی بسر کریں۔

ان شرائط کی تکمیل کے بعد پانڈو کے بیٹوں نے اپنے حصہ کی حکومت کا مطالبہ کیا اور قتل وغارت گری اور خانہ جنگی سے بچنے کے لیے یودھشٹر نے اپنے گزارے کے لیے پانچ قصبات لینے پر آمدگی ظاہر کردی، لیکن دریودھن نے سوئی کی نوک کے برابر زمین دینے سے بھی انکار کردیا، اور جنگ ناگزیر ہوگئی، جب دونوں جانب کی فوجیں جنگ کے لیے ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں تو ارجن نے کرشن سے جو ان کے ماموزاد بھائی اور بڑے دوست تھے اور اس جنگ میں ان کی رتھ بانی کا کام

کررہے تھے، یہ خواہش کی کہ وہ دونوں فوجوں کے درمیان ان کے رتھ کو لے جائیں تا کہ وہ دونوں فوجوں کا معائنہ کرسکیں، دونوں جانب اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو دیکھ کر ارجن بہت متاثر ہوئے حتی کہ جنگ سے باز رہنے کے خیالات بھی ان کے ذہن میں پیدا ہوئے تا کہ سلطنت کے حصول کی خواہش میں عزیزوں اور دوستوں کا خون بہانا نہ پڑے، اس موقع پر کرشن ان اقوال کے ذریعہ ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ اپنے فرض پہچانیں اور ایک فیصلہ کرنے کے بعد اس پر قائم رہیں، پھر ارجن اور کرشن کے مابین مختلف موضوع پر گفتگو ہوئیں، بالآخر کرشن ارجن کو منانے اور جنگ پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگئے پھر دریودھن کورو اور پانڈو کے بیٹوں کے مابین جنگ چھڑ گئی، پانڈو کا دیوتا کرشن واس دیوتھا جن کی مدد سے پانڈو کے بیٹوں نے دریودھن کورو پر فتح حاصل کرلی، اس کتاب میں اس جنگ کے تذکرہ کے ساتھ تصوف کے تصورات بھی اجاگر کئے گئے ہیں۔ (الدیانات الوضعیۃ، مذاہب عالم اور اسلام، شریمد بھگوت گیتا کا مقدمہ)

بھگوت گیتا

مہا بھارت کا سب سے اہم حصہ بھگوت گیتا کا ہے جو مذہبی حیثیت سے ممتاز مقام رکھتی ہے، اس میں کرشن جی کو الوہیت کا مجسم ظہور مانا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جب جب دنیا میں آدھرم پھیلتا ہے تب تب ایشور اوتار لیکر دھرم کی حفاظت کرتا ہے، رام اور کرشن کو انہیں معنوں میں وشنو کا اوتار مانا جاتا ہے اور بعض لوگ خود انہیں وشنو سمجھ کر پوجتے ہیں، گیتا میں کرشن جی کے وہ اپدیش ہیں جو انہوں نے ارجن کے جنگ سے انکار کرنے پر دیئے تھے، ارجن کا خیال تھا کہ حکومت کے لیے میں ہی بھائیوں اور عزیزوں سے لڑوں یہ کچھ اچھا نہیں ہے، لیکن کرشن جی نے اس کو سمجھایا کہ جب اپنے ہی بھائی غیر انصافی اور ظلم پر اتر آئیں تو پھر ان سے لڑنا پاپ نہیں ہے بلکہ ضروری ہے تا کہ دنیا سے ظلم وستم کا خاتمہ ہو، بھگوت گیتا کی ایک نمایاں تعلیم وجود باری کا تصور ہے، بھگوت گیتا کا تصور یہ ہے کہ خدا ہر چیز کے اندر موجود ہے اور وہی ہر ایک کا مبدأ وملجا ہے، سب کچھ فنا ہونے کے لیے اس میں ضم ہوجاتا ہے، اس لیے ہر انسان کی کوشش ہونی چاہئے کہ جلد خدا سے واصل ہونے کے ذرائع اختیار کرے، جو شخص خاص اصول اور معیار پر زندگی بسر کرتا ہے، خواہشات کو ترک کرتا اور نتیجہ سے بے فکر رہتا ہے وہ مرتے ہی خدا سے واصل ہوجاتا ہے اور موت وحیات کی کشمکش (تناسخ) میں گرفتار نہیں رہتا، اس کے برعکس جو شخص خواہشات کا غلام رہتا ہے وہ بار بار اس دنیا میں بھیجا جاتا ہے، عمل کی معراج یہ ہے کہ انسان اپنی اعلی ترین حقیقت کو پہچان کر واصل بحق ہوجائے۔

بھگوت گیتا اہل ہند کے نام شری کرشن جی کا پیغام ہے جس کو ویاس جی نے لکھا ہے، "الدیانات الوضعیة" میں اس کے مولف کا نام خود کرشن جی کو بتایا ہے، یہ کتاب اٹھارہ باب اور سات سو ایک اشلوکوں پر مشتمل ہے، یہ ایک فلسفیانہ اور مذہبی گیت ہے، اس کے پہلے باب میں ارجن کی اداسی، دوسرے میں علم کا فلسفہ تیسرے میں عمل کا فلسفہ چوتھے میں عرفان عمل اور ترک دنیا کا فلسفہ پانچوں میں اعمال کے نتیجہ سے دست بردار ہونے کا فلسفہ، چھٹے میں خود پر قابو پانے کا فلسفہ ساتویں میں علم

وعرفان کا فلسفہ، آٹھویں میں لا فانی برہم کا فلسفہ، نویں میں اعلی ترین علم اور اعلی ترین راز کا فلسفہ، دسویں میں خدا کی عظمت کا فلسفہ، گیارہویں میں ہمہ از اوست کا فلسفہ، بارہویں میں عقیدت کا فلسفہ، تیرہویں میں مادہ اور روح کے فرق کا فلسفہ، چودھویں میں تین خاصیتوں کی تقسیم کا فلسفہ (یعنی ست، رج، تم) پندرہویں میں اعلی ترین روح کے حصول کا فلسفہ، سولہویں میں رحمانی اور شیطانی قوتوں کی تقسیم کا فلسفہ، سترہویں میں عقیدت کے تین اقسام کا فلسفہ (یعنی ست، رج، تم) اٹھارہویں میں باب مکتی اور ترک علائق کا فلسفہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (مذاہب عالم اور اسلام، شریمد بھگوت گیتا، الدیانات الوضعیۃ)

رامائن

یہ کتاب سنسکرت زبان میں ہے، یہ ایک تاریخی قصہ پر مشتمل ہے، پہلے اسے سنسکرت میں بالمیکی رشی نے لکھا تھا، پھر سولہویں صدی عیسوی میں جلال الدین اکبر کے عہد میں تلسی داس نے اسے ہندی میں نظم کی صورت میں مرتب کیا، اس میں بیس ہزار اشلوک ہیں، سبھی ہندو اس کو بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

اس میں رام چندر جی کے ۱۴ سال بن باس کا قصہ بیان کیا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے شہر ایودھیا میں ایک راجا تھا جس کا نام دسرت تھا، اس کے تین بیویاں تھیں، رام چندر جی راجا کی پہلی بیوی سے تھے، اور اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، راجا دسرت کی دوسری بیوی سے ایک لڑکا تھا جس کا نام بھرت تھا، اور یہ دوسری بیوی راجا دسرت کے نزدیک زیادہ محبوب تھی، اس لیے کہ اس نے ایک جنگ میں راجا دسرت کی بڑی مدد کی تھی اور دشمنوں سے انہیں بچایا تھا، جس کے پاداش میں راجا جی نے اس سے خوش ہوکر کہا تھا کہ تم کبھی بھی مجھ سے کسی چیز کا مطالبہ کروگی تو میں اسے پورا کروں گا۔

جب راجا دسرت بوڑھے ہوگئے، اور اپنے بڑے لڑکے رام چندر جی کو اپنی جگہ راجا بنانا چاہا تو ان کی اس دوسری بیوی نے یہ کہا کہ ان کی جگہ پر میرے بیٹے بھرت کو اپنا قائم مقام بنائیں اور رام چندر جی کو ۱۴ سال کے لیے جلاوطن کردیں۔

راجا دسرت نے اپنے بچن (عہد و پیمان) کو پورا کرنے کے لیے اپنے دوسرے لڑکے بھرت کو راجا نامزد کرکے گدی اس کے سپرد کردی اور رام چندر جی کو ۱۴ برس کے لیے جلاوطن کردیا۔

رام چندر جی اپنے باپ راجا دسرت کی جانب سے اپنی جلاوطنی کا حکم پاتے ہی اپنی بیوی سیتا اور اپنے چھوٹے بھائی لچمن (جو آپ کی تیسری ماں سے تھے) کو لیکر جنگل و بیابان کی راہ لی، اور وہاں جاکر بود و باش اختیار کرلی۔

سری لنکا کا راجا راون کا ایک دفعہ ادھر سے گذر ہوا اور سیتا جی کے حسن و جمال کو دیکھ کر عاشق ہوگیا، اور چپکے سے سیتا جی کو اٹھالے گیا، جب رام چندر جی کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے بندروں کا ایک لشکر تیار کیا اور اس کے کمانڈر ہنومان جی متعین کئے گئے، جب رام چندر جی اس لشکر کو لیکر شری لنکا کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ میرے اور سری لنکا کے مابین سمندر حائل ہے، رام چندر جی تین دن سمندر کے کنارے راستہ کی تلاش میں گھومتے رہے، لیکن سری لنکا جانے کا انہیں کوئی راستہ نظر نہیں

آیا، جس پر رام چندر جی کو بڑا غصہ آیا اور اپنے بھائی لچھمن سے کہا کہ مجھے تیر وکمان دو، پھر کمان لیکر آگ کی تیر سے سمندر پر وار کیا، پس سمندر ساکت ہو گیا اور اس میں آگ کے شعلے بھڑکنے لگے، پس سمندر ڈر گیا اور ہاتھ جوڑ کر رام چندر جی کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا، آپ ہم کو معاف فرمادیں، اور میرے اوپر سے گذر جائیں میں آپ لوگوں کا خادم ہوں۔

سمندر کی یہ فریاد سن کر رام چندر جی ہنس پڑے، پھر سمندر نے دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ آپ کے لشکر میں دو بندر (۱) نل (۲) نیل ہیں جو بڑی قوت کے مالک ہیں، آپ ان کو حکم دیں کہ پہاڑ لا کر میرے پشت پر رکھ دیں پھر آپ لوگ اس پر سے گذر جائیں۔

چنانچہ رام چندر جی نے ان دونوں کو پہاڑ اٹھا کر لانے کا حکم دیا اور وہ دونوں پہاڑ لا کر سمندر کے پشت پر رکھ دیا، وہ پہاڑ فوراً کشتی کے مانند ہو گیا اور تمام لشکر اس پر سوار ہو کر سمندر کو پار کیا، اور سری لنکا پر حملہ کر دیا اور سری لنکا کو فتح کر کے راون کو قتل کر دیا اور سیتا جی کو رام چندر جی کے حوالہ کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ رام چندر جی نے اپنے باپ کے عہد و پیمان کو پورا کیا اور دنیاوی لذتوں سے دور رہ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں اپنی زندگی بسر کی۔

ادھر راجا دسرت نے راج گدی اپنے بیٹے بھرت کے سپرد کیا تو اس نے راج گدی پر بیٹھنے سے انکار کر دیا، ماں نے بہت سمجھایا لیکن راضی نہیں ہوئے اور جنگل میں جا کر اپنے بڑے بھائی رام چندر جی سے ملاقات کی اور گزارش کی کہ راج گدی پر بیٹھنے کا حق آپ کا ہے، آپ تشریف لے چلیں اور باپ کی راج گدی کو سنبھال لیں، رام چندر جی نے بھائی کو سمجھایا کہ دیکھو باپ کے عہد و پیمان کو مجھے پورا کرنے دو، اس کے بعد میں آؤں گا، تب تک جا کر تم راج گدی کو سنبھال لو، بالآخر بھرت جی نے مجبوراً بھائی رام چندر کے کھڑاؤں کو لیکر گھر واپس آ گئے اور اس کو راج گدی میں رکھ دیا اور یہ تصور کر کے ملک کا کام کاج سنبھالنے لگے کہ گویا بھائی رام چندر جی تخت پر بیٹھے ہیں۔

جب رام چندر جی نے اپنا چودہ سال بن باس مکمل کر لیا تب وطن واپس آئے اور باپ کی راج گدی کو سنبھال کر اس طرح عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی کہ ہندوستان میں یہ ضرب المثل بن گیا، گاندھی جی بھی ہندوستان آزاد ہونے سے پہلے اور بعد برابر یہ کہا کرتے تھے کہ ''ہمیں رام راج چاہئے، یعنی رام چندر جی کے زمانہ جیسا عدل وانصاف اور بس۔ (دراسات فی الہندوسیۃ)

☆☆☆

محبت اور نفرت صرف اللہ کے لیے

ترتیب: خیر الاسلام بحر الحق رف ۳

ذیل کا مضمون دراصل ہمارے فاضل استاذ محترم فضیلۃ الشیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ وتولاہ کا خطبۂ جمعہ ہے، یہ خطبہ چونکہ بہت پر مغز اور فکر انگیز تھا، اس لیے اس کا پورا مفہوم وخلاصہ افادۂ عام کی غرض سے شیخ کی نظر ثانی کے بعد محدث کے صفحات کے ذریعہ معزز قارئین تک پہنچایا جارہا ہے۔

معنی ومفہوم

یہ ایک مسلمہ اور نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اس دنیائے فانی وحیات مستعار میں انسان معاشرت پسند واقع ہوا ہے، باہم ایک دوسرے سے مل جل کر رہنا انسان کے اندر ایک فطری وجبلی امر ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان کے باہمی رشتے، روابط اور تعلقات بے شمار ہیں، ماں باپ کا رشتہ، استاد شاگرد کا رشتہ، خویش واقارب کا تعلق ورشتہ، دوستی وخلت کا رشتہ وغیرہ، لیکن ان تمام رشتوں کی حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیوی رشتے ہیں، اور ان مادی ودنیوی رشتوں کا دائرہ محدود ومحصور ہے، اس کے ماسوا ایک دوسرا رشتہ، رابطہ اور تعلق ایمانی ہوتا ہے اور یہ رشتہ ان تمام مادی ودنیوی رشتوں، ناطوں سے زیادہ مستحکم، پائیدار ٹھوس اور مضبوط ہوا کرتا ہے، اور اسی رشتہ کا استحکام ومضبوطی، اس میں زندگی وتابندگی ہی حقیقی ایمان کے لیے مطلوب ومقصود ہے، اسلام اسی کا داعی، نقیب اور امین ہے، چنانچہ کتاب وسنت میں اس رشتۂ ایمانی کے شجر سے وابستہ وپیوستہ رہنے کی بڑی تاکید آئی ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "انما المؤمنون إخوة" (۱) تمام مؤمن آپس میں بھائی ہیں۔

ایک جگہ فرمایا: "انما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الذين يقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة وهم راكعون"۔ (۲)

ترجمہ: (مسلمانو) تمہارا دوست خود اللہ ہے، اور اس کے رسول ہے، اور ایمان والے ہیں، جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں، اور زکاۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع (خشوع وخضوع) کرنے والے ہیں۔ (جونا گڈھیؒ)

مزید فرمایا: "والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض"۔ (التوبۃ:۷۱)

ترجمہ: مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ومعاون اور دوست ہیں۔ (جونا گڈھیؒ)

ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "المسلم أخو المسلم" (۳) مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔

(۱) سورۃ الحجرات:۱۰۔ (۲) المائدۃ:۵۵۔

(۳) سنن ابی داود، کتاب الادب، باب المواخاۃ (۴۸۹۳)، وصححہ الالبانی فی صحیح سنن ابی داود: ۳/۹۲۵ برقم (۴۰۹۱)۔

ان دونوں آیت وحدیث سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ تمام اہل ایمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں، اگر چہ زمین کے دور دراز گوشوں نے ان کو باہم ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہو، مزید اینکہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ کتنا مستحکم، مضبوط اور پائیدار رشتہ کیوں نہ ہو، وہ حقیقی بھائی بہن ہی کیوں نہ ہوں، اگر ایمان ویقین جیسی اعلی قدروں سے ان کے دل خالی ہیں، تو وہ آپس میں بھائی نہیں ہو سکتے، سب سے مضبوط اور طاقت ور رشتہ ایمان کا رشتہ ہے، ایمان کی بنیادوں پر استوار ہونے والا رشتہ ان حقیقی رشتوں سے کہیں زیادہ عظیم اور بلند تر ہے، اسی لیے آپس میں محبت والفت، اخوت وعقیدت کا جذبہ بھی وہی ہونا چاہئے جو کہ اس کا تقاضا ہے۔

اہمیت وفضیلت:

" الحب فی الله والبغض فی الله" کا عملی نمونہ بننے یعنی اللہ کے لیے محبت والفت اور اسی کے واسطے عداوت ودشمنی کے حوالے سے کتاب وسنت میں غیر معمولی تاکید آئی ہے، اور اس کی بہت ہی فضیلت واہمیت وارد ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "ثلاث من كن فيه وجد بهن حلاوة الايمان: أن يكون الله ورسوله أحب اليه مما سواهما، وأي يحب المرء لا يحبه الا لله، وأن يكره أن يعود فی الكفر بعد أن أنقذه الله منه كما يكره أن يقذف فی النار" (۱) کہ تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص کے اندر وہ ہوں گی، وہ ان کی بدولت ایمان کی لذت اور مٹھاس محسوس کرے گا، ایک یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اسے ان کے ماسوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوں اور دوسرا یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ کے لیے محبت رکھے، اور تیسرا یہ کہ وہ دوبارہ کفر میں لوٹنے کو جب کہ اس سے اللہ نے اس کو بچالیا اس طرح برا سمجھے جیسے آگ میں ڈالے جانے کو وہ برا سمجھتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ: "من أحب لله وأبغض لله، وأعطى لله ومنع لله، فقد استكمل الايمان"۔ (ابوداود، صحیح الجامع)

جس نے اللہ واسطے دوستی کی اور اللہ واسطے ہی دشمنی کی، اللہ واسطے دیا اور اللہ واسطے روکا (نہ دیا) اس نے ایمان مکمل کرلیا۔

ایک دوسری حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله ..... ورجلان تحابا في الله اجتمعا عليه وتفرقا عليه" (۲) کہ سات قسم کے افراد کو اللہ اپنے سایہ میں اس دن جگہ دے گا جس دن کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان سات میں سے وہ دو آدمی بھی ہیں جو اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اسی محبت پر وہ اکھٹے ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان الله يقول يوم القيامة: أين المتحابون بجلالي

(۱) صحیح بخاری، کتاب الایمان ۹ باب حلاوۃ الایمان رقم الحدیث (۱۶)۔
(۲) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ رقم الحدیث (۱۰۳۱)

اليوم أظلهم في ظلي يوم لا ظل إلا ظلي" (۱) کہ اللہ تعالی قیامت کے دن فرمائے گا، میری عظمت وجلال کے لیے باہم محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا جبکہ میرے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

الحب فی اللہ کے استحکام کے ذرائع:

مذکورہ دلائل سے یہ بات عیاں وبیاں ہوگئی کہ اسلام میں ''الحب فی اللہ'' یعنی اللہ تعالی کے لیے کسی سے محبت، دوستی اور الفت رکھنا، اس کی کس قدر اہمیت وفضیلت ہے، اسی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے دینی رشتہ ایمانی علاقہ اور باہمی محبت کو مستحکم وپائیدار بنانے کے کچھ طریقے اور ذرائع بھی بتلائے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) سلام کو عام کرنا: اس سے محبت بڑھتی ہے، اور ایمانی قدریں پروان چڑھتی ہیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "والذي نفسي بيده لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أو لا أدلكم على شيء اذا فعلتموه تحاببتم؟ أفشوا السلام بينكم" (۲) قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم جنت میں داخل نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ تم ایمان لے آؤ اور تم مؤمن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ تم آپس میں محبت کرو، کیا میں تمہیں اس چیز کے بارے میں نہ بتاؤں، جب تم اس کو کرنے لگو گے تو تم آپس میں محبت کرنے لگو گے؟ تم اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس میں میل جول، اتحاد واتفاق، اخوت ومحبت، ہمدردی وبھائی چارگی بڑھانے کا اہم ذریعہ سلام کو عام کرنا ہے، سلام سے ایک شخص کی دوسرے شخص سے اور ایک جماعت کی دوسری جماعت سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۲) نیک لوگوں کی ہم نشینی: محبت بڑھانے کا ایک ذریعہ نیک لوگوں کے ساتھ مجالست اختیار کرنا بھی ہے، اتقیاء وصلحاء، اخیار اور دیندار لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، صحبت اختیار کرنے سے محبت ومودت میں زیادتی اور اضافہ ہوتا ہے، اور اس کے فوائد عظیم اور منافع بے شمار ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "انما مثل الجليس الصالح والجليس السوء كحامل المسك ونافخ الكير، فحامل المسك اما أن يحذيك واما أن تبتاع منه واما أن تجد منه ريحا طيبة ونافخ الكير اما أن يحرق ثيابك واما أن تجد منه ريحا منتنة" (۳) کہ نیک ساتھی اور برے ساتھی کی مثال ایسی ہے جیسے کستوری اٹھانے والا (یعنی عطر بیچنے والا) اور آگ کی بھٹی دھونکنے والا، پس مشک بیچنے والا یا تو تجھے مشک عطیہ میں دے گا، یا تو خود اس سے خریدے گا یا یہ کہ تو اس سے پاکیزہ خوشبو پالے گا، اور بھٹی کی آگ دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلادے گا یا پھر تو اس سے بدبودار بو پائے گا۔

اس حدیث میں نیک وصالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور برے لوگوں کی ہم نشینی سے اجتناب کرنے کی تلقین کی

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل الحب فی اللہ رقم الحدیث (۶۵۴۸)
(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان انہ لا یدخل الجنۃ الا المومنون رقم (۱۹۴)
(۳) صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب المسک، رقم الحدیث

گئی ہے، کیونکہ نیک لوگوں کی صحبت میں عطر فروش کی طرح فائدہ ہی فائدہ ہے کہ ان کے ساتھ رہنے سہنے اور اٹھنے بیٹھنے سے انسان ان کے اثرات قبول کر لیتا ہے، اور آہستہ آہستہ ان کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے اور انہیں کے رنگ و پیرہن میں ملبوس ہو جاتا ہے اور بروں کی صحبت بھٹی کی آگ جلانے پر مامور شخص کی طرح ہے کہ اس سے انسان کو نقصان ہی نقصان پہنچے گا فائدہ کوئی نہیں، ان ہی فوائد و منافع کے پیش نظر اللہ سبحانہ وتعالی نے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: "واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشي يريدون وجهه" (۱) اور اپنے آپ کو انہیں کے ساتھ رکھا کر جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اسی کے چہرے کے ارادے رکھتے ہیں (رضامندی چاہتے ہیں)۔

البغض فی اللہ: معنی و مفہوم:

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی سے دشمنی دنیاوی اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے نہیں بلکہ خالص اللہ کی رضامندی و خوشنودی کے حصول کے لیے کی جائے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کفار و مشرکین، یہود و نصاری کو اللہ کا دشمن کہا گیا، اور ان سے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا اور یہی معنی ہے اللہ کے لیے دشمنی کرنے کا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم أولياء بعض ومن يتولهم منكم فانه منهم" (۲) اے ایمان والو! تم یہود و نصاری کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہیں میں سے ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا: "يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم أولياء" (۳) اے ایمان والو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

اور دوسری جگہ فرمایا: "يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا الكافرين أولياء من دون المؤمنين" (۴) ترجمہ: اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: "الذين يتخذون الكافرين أولياء من دون المؤمنين أيبتغون عندهم العزة فإن العزة لله جميعا" (۵) ترجمہ: جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں (تو یاد رکھیں) عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضہ میں ہے۔

اور ایک جگہ اللہ رب العالمین کا ارشاد گرامی ہے: "يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا أباء كم واخوانكم أولياء ان استحبوا الكفر على الايمان ومن يتولهم منكم فأولئك هم الظالمون" (۶)

(۱) سورۃ الکہف: ۲۸۔ (۲) سورۃ المائدۃ: ۵۱۔
(۳) سورۃ الممتحنۃ: ۱۔ (۴) سورۃ النساء: ۱۴۴۔
(۵) سورۃ النساء: ۱۳۹۔ (۶) سورۃ التوبۃ: ۲۴۔

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا گنہگار ظالم ہے۔

ان تمام آیتوں سے یہ بات واضح وعیاں ہوگئی کہ کفار ومشرکین، یہود ونصاری ان تمام سے دوستی ممنوع ہے، کیونکہ یہ لوگ اللہ کے، اہل ایمان کے اور دین اسلام کے دشمن ہیں، ان کا دین ومذہب الگ ہے، ہمارا الگ ہے، جس دین کو ہم مانتے ہیں اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں اسے وہ نہیں مانتے، نہ محبت کرتے ہیں، اسی وجہ سے ہم مسلم ہیں اور وہ غیر مسلم ہیں۔ لہذا ان سے نفرت، بغض وعداوت رکھنا ہی اللہ تعالی کے لیے عداوت وبغض کرنا ہے۔

اور اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لا تصاحب الا مؤمنا ولا يأكل طعامك الا تقي"۔ (۱) کہ تم صرف مومن کو دوست بناؤ اور تمہارا کھانا صرف متقی لوگ کھائیں۔

اس حدیث میں کفار سے دوستی اور ہم نشینی کی ممانعت اور صرف اہل تقوی کے ساتھ دوستانہ وبرادرانہ تعلقات قائم کرنے کی تاکید ہے۔

کفار اور یہود ونصاری سے دشمنی کیوں؟

ایسا نہیں کہ اسلام نے یہود ونصاری اور کفار ومشرکین سے صرف دوستی نہ کرنے ہی کا حکم دیا ہے، بلکہ اس کے اسباب وعوامل سے بھی ہمیں روشناس کرایا ہے، چنانچہ یہ بات لوگوں کے مابین بالکل عام ہے، ہر شخص اپنے دوست کے دین وعقیدہ پر ہوتا ہے، اس لیے برے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی غیر معمولی تاکید آئی ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "الرجل على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل" (۲) ترجمہ: کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہذا تم میں سے کوئی جب کسی کو دوست بنائے تو اس کو چاہئے کہ اس میں غور وفکر کرلے، اسی طرح شاعر نے کہا ہے:

عن المرء لا تسأل وسل عن قرينه فكل قرين بالمقارن يقتدى

یعنی کسی آدمی کے بارے میں جاننا ہو تو اس کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اس کے دوست کے بارے میں پوچھو، اس لیے کہ ہر شخص اپنے دوست کی اقتداء واطاعت کرتا ہے۔

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: "المرء مع من أحب" (۳) انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ تو اس اعرابی نے کہا: اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے، آپ

(۱) سنن ابی داود، کتاب الادب (صحیح الجامع الصغیر: ۷۳۴۱)

(۲) رواہ الترمذی، کتاب الزھد ۴۵ باب رقم الحدیث (۲۳۷۸)، وقال ابوعیسی ھذا حدیث حسن غریب۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علامۃ الحب فی اللہ، رقم الحدیث: (۶۱۶۸)

ﷺ نے فرمایا: "أنت مع من أحببت" (۱) تو انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تو نے محبت کی ہے۔

ان تمام آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاری، کفار ومشرکین سے محبت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرنا اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کا سبب بن سکتا ہے، اسی وجہ سے ان سے دشمنی کرنے کا حکم دیا گیا۔

گذشتہ سطور کے دلائل سے یہ بات بھی واضح وثابت ہوگئی کہ ہر شخص اپنے دوست کے دین وطریقہ اور منہج پر ہوتا ہے، اس لیے کہ ہر آدمی اپنے ہی ظرف کے مطابق دوست ودشمن کا انتخاب کرتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آدمی دوست بنانے سے پہلے اپنے دوست کو خوب اچھی طرح جانچ پرکھ لے، پھر اس کو دوست بنائے، اس لیے کہ اگر دوست برا ہوگا تو دین واخلاق، کردار وعادات کا بگڑنا لازمی امر ہے، اور یہی اللہ پر سچ وحقیقی ایمان کا تقاضا بھی ہے کہ آدمی اس چیز کو پسند کرے جو چیز اللہ کو محبوب ہے اور اس شخص کو پسند کرے جو شخص اللہ ورسول کے یہاں محبوب وپسندیدہ ہے اور اس چیز سے آدمی نفرت کرے جو اللہ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ ہے، اسی لیے اللہ تعالی نے مومنوں کے بارے میں فرمایا کہ جو حقیقی مومن ہیں وہ ہرگز کافروں کو دوست نہیں بنائیں گے، اللہ تعالی کا رشاد ہے: "لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين" (۲) ترجمہ: مومنوں کو چاہئے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

اس لیے صحابۂ کرام نے اپنے ان آباء واجداد اہل قبائل کو دوست نہ بنایا جو دین حق سے اپنا رشتہ نہ جوڑ سکے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباء هم أو أبناء هم أو اخوانهم أو عشيرتهم" (۳) ترجمہ: اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے) کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔ (جونا گڈھیؒ)

اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کے ساتھ محبت واخوت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت اخوت اور خاندانی وبرادری کی محبت ورعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے، چنانچہ صحابہ کرام نے عملا ایسا کرکے دکھایا، صحابہ نے اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی اور اپنے چچا ماموں اور دیگر رشتہ داروں کو جنگ میں قتل کرنے تک سے گریز نہیں کیا، اگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے، سیر وتواریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں، اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جب اسیران جنگ کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے یا قتل کردیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کافر قیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے مسلم رشتہ دار کے سپرد کردیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب المرء مع من أحب رقم الحدیث (۶۷۱۰)

(۲) سورہ آل عمران: ۲۸۔ (۳) سورۃ المجادلۃ: ۲۲۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: سابقہ سطور کے دلائل کفار ومشرکین اور یہود ونصاری سے تعلقات کے حوالے سے صرف ایک پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں کہ ان سے عداوت وبغض ضروری ہے، اور کیوں ضروری ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ حسن معاملہ، رواداری وانصاف سے منع کیا ہے، اسلام تو باقاعدہ غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف، حسن سلوک، رواداری کا برملا اعلان کرتا ہے، اور یہ دشمنی ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے، جنہوں نے خود مسلمانوں سے دشمنی کر رکھی ہے، اور ان کے ساتھ ظلم وستم روا رکھا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: "لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين" (۱) ترجمہ: جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالی تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالی تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے: " ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى" (۲)

ترجمہ: کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل فیصلہ پر آمادہ نہ کردے، عدل کیا کرو جو پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔

ان آیتوں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک، تجارت ومعاملات اور رواداری وغیرہ سے اسلام نہیں روکتا، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی جو تیس صاع جو کے بدلے میں تھی۔ (۳)

ان دلیلوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور تجارت وبیع وشراء سے اسلام ہرگز نہیں روکتا، لیکن اس کے برعکس غیر مسلموں کے ساتھ محبت وموالات کی قطعا اسلام اجازت نہیں دیتا، یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، لیکن بعض لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے اور دونوں کو گڈمڈ کردیتے ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، جیسا کہ گذشتہ سطور کے دلائل سے واضح ہوا کہ اسلام مومنوں کو اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دلی محبت اور قلبی تعلق سے روکتا ہے نہ کہ رواداری، حسن سلوک اور منصفانہ برتاؤ سے روکتا ہے۔

اسی طرح مسلمانوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کچھ برے کاموں میں ملوث ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ مسلمان ہیں کلمہ گو ہیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ اچھے کام بھی کرتے ہیں تو کلی طور پر ان سے نفرت وعداوت ودشمنی نہیں کی جائے گی، پورے طور سے قطع تعلق نہیں کیا جائے گا، بلکہ ان کے ایمان کے بقدر ان سے دوستی کی جائے گی اور ان کے گناہوں، معصیتوں کے بقدر ان سے نفرت وعداوت رکھی جائے گی اور ساتھ ہی ساتھ ان کے اندر پائی جانے والی برائیوں اور خرابیوں کی اصلاح کی کوشش بھی کی جائے گی، تاکہ اصلاح کے بعد ان کے اندر ایمان وعمل میں درستگی وپختگی آسکے۔ (واللہ ھوالموفق)

اللہ تعالی ہمیں کتاب وسنت کے مطابق اہل ایمان سے محبت کرنے کی توفیق دے اور سچا پکا مومن بنائے، اور "الحب لله والبغض لله" کے حقیقی تقاضوں کو سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق سے نوازے، آمین۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔☆

(۱) سورۃ الممتحنۃ: ۸۔ (۲) سورۃ المائدۃ: ۸۔ (۳) متفق علیہ۔

ماہ ربیع الاول اور موجودہ مسلمان

حافظ عبدالرحمٰن سلفی

ماہ ربیع الاول کی آمد آمد ہے، ''میلاد النبی ﷺ'' کی تیاریاں زوروں پر ہے، گلی کوچوں اور گھروں کو سجانے اور چراغاں کرنے کا کام جاری ہے، جگہ جگہ ٹولیوں اور جماعتوں میں جلوس نکل رہے ہیں، آرائشی محرابوں اور دروازوں کی نمائش جاری ہے، محلوں اور شاہراہوں میں سالانہ ''سیرۃ النبی ﷺ'' کانفرنسیں بڑے تزک واحتشام سے ہورہی ہیں، ساز وموسیقی، نعتیہ قصائد اور قوالیاں نام نہاد عاشقان رسول کو وجد میں لا رہی ہیں، ہر طرف جشن کا سماں ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت:

ماہ ربیع الاول اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے، ہم مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بزرگی اور اہمیت محض اس بنا پر ہے کہ اس ماہ میں ہمارے نبی ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، جس نبی ﷺ کو اللہ پاک نے اپنے کلام پاک ''قرآن مجید'' میں "سراجا منیرا" (روشن چراغ) کے لقب سے ملقب فرمایا، یقیناً وہ ہمارے لیے روشن چراغ تھے۔ ایسا ''روشن چراغ'' جس نے ریگستان عرب کے بدوؤں کو کفر وشرک، بدعت وجہالت اور تقلید ورسوم پرستی کے گھٹاٹوپ اندھیرے سے نکال کر شریعت بیضاء، ملت غراء، صراط مستقیم اور توحید وسنت کی روشن شاہراہ تک پہنچا دیا، لیکن یہ بات قابل غور ہے کہ مسلمانوں کے لیے سب سے اہم چیز آپ کا وہ یوم ولادت نہیں جس کے لیے جشن کا بڑے زور وشور سے اہتمام کیا جاتا ہے۔

بلکہ ''یوم رسالت'' ہے جس سے مسلمانوں کو وہ توحید ملی جس سے گم گشتگان بادیۂ ضلالت محروم تھے، مزید ایمان واخلاق کی وہ دولت لازوال حاصل ہوئی جس کی برکت سے مسلمان عرب وعجم پر چھا گئے۔

اس ''یوم رسالت'' سے ہی آپ ﷺ کی ذات واجب الاطاعت ٹھہری اور آپ ﷺ کی اطاعت وتابعداری محبت خداوندی اور فلاح وکامیابی کا معیار قرار پائی، "من یطع الرسول فقد أطاع الله" (النساء:۸۰) ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور "قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفر لکم ذنوبکم" (آل عمران:۳۱) ترجمہ: اے نبی کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔ مزید "من یطع الله ورسوله یدخله جنات تجري من تحتها الأنهار خالدین فیها وذلك الفوز العظیم" (النساء:۱۳) ترجمہ: اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا، جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

نیز اللہ رب العالمین نے ہمارے لیے (اطاعت میں) ان لوگوں کو معیار اور آئیڈیل قرار دیا جنہوں نے آپ ﷺ کو

دیکھ کر کلمۂ توحید کا اقرار کیا اور آپ پر ایمان لے آئے اور اس امت کے اولین مسلمان بنے، جنہیں اللہ نے جنت کی بشارت دی اور جن سے راضی ہونے کا اعلان کیا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

وصحابۂ کرام جن کے ایمان صادق کو اللہ نے باقی لوگوں کے لیے معیار قرار دیا، فرمان باری تعالی ہے: "فان آمنوا بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا وان تولوا فانما هم في شقاق" (البقرۃ:۱۳۷) ترجمہ: اگر وہ تم جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے اور منہ موڑیں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں۔

وہ صحابہ کرام جن کا راستہ چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے پر اللہ نے جہنم کی وعید سنائی، "ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرا" (النساء:۱۱۵) ترجمہ: جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی رسول ﷺ کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں مومنوں کے راستے سے مراد صحابۂ کرام کا راستہ ہے کیونکہ نزول قرآن کے وقت بس وہی مومن تھے، اس مختصر سی تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو عملی زندگی میں تنازعات سے اجتناب کرتے ہوئے قرآن وحدیث کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور اس سلسلے میں صحابۂ کرام کے طرز عمل سے رہنمائی لینی چاہئے، کیونکہ انہی شخصیات کو اللہ رب العالمین نے معیار حق قرار دیا ہے۔

اور اگر کبھی کسی معاملے میں اختلاف ہو ہی جائے تو اس اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول کی عدالت میں پیش کرنا چاہئے اور وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو اسے قبول کر لینا چاہئے، جیسا کہ فرمان الہی ہے: "يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم، فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا" (النساء:۵۹) ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو اختیار والے ہیں ان کی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ کی طرف اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ زیادہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔

لہذا جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کر دیں تو اسے بلا چوں وچرا تسلیم کر لینا ہی ایمان کی سلامتی کا ضامن ہے، جیسا کہ ارشاد الہی ہے: "فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما" (النساء:۶۵) ترجمہ: تیرے پروردگار کی قسم یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپسی اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں، اور فرماں درای کے ساتھ قبول کر لیں۔

معلوم ہوا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کو یہ اختیار نہیں کہ ان کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی

مرضی سے کوئی اور راہ اپنا لے، بلکہ اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ کو قبول کرنا ہی ہوگا، ورنہ بصورت دیگر عذاب الٰہی سے دوچار ہونا پڑے گا، "وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا"۔ (الاحزاب:۳۶) ترجمہ: کسی مومن مرد کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی معاملے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

اور "فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم" (النور:۶۳) ترجمہ: جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان کوئی زبردست عذاب نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی اس بات کی تلقین کی ہے کہ نزاعی مسائل میں اللہ کی کتاب اور ہماری اور ہمارے صحابہ کی سنت کو قاضی اور فیصل ٹھہرایا جائے، "أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن تأمر عليكم عبد (حبشي) فإنه من يعش منكم بعدى فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، واياكم ومحدثات الأمور، فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة" (سنن ابی داود، رواہ ابوداود:۴۶۰۷، وصححہ الالبانی)

مذکورہ تمام قرآنی آیات واحادیث نبویہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ اختلافی مسائل کے حل میں قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنا لازم ہے، نیز رسول اکرم ﷺ کی وصیت کے مطابق اس سلسلے میں صحابہ کرام کا طرز عمل بھی ہمارے لیے نمونہ ہے۔ لہذا جب ہم قرآن وحدیث کے بیان کردہ اصول (اپنے تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو) کے پیش نظر مروجہ میلاد کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں جشن یا عید میلاد کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے اپنا میلاد منایا اور نہ ہی اس کی ترغیب دلائی۔

نیز عہد رسالت میں ۲۳ رمرتبہ یہ دن آیا، تب بھی صحابہ کرام ؓ نے نہ تو یوم میلاد النبی کو کوئی اہمیت دی اور نہ ہی آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد خلفاء راشدین نے کوئی جشن منایا یا یوم ولادت کو عید قرار دیا۔

جب ہم قرون اولی (صحابہ، تابعین وتبع تابعین کا زمانہ جنہیں نبی کریم ﷺ نے ''بہترین لوگ'' قرار دیا تھا) کی تاریخ کا پوری دیانت داری کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کے ہاں اس ''عید'' کا کوئی تصور نہ تھا، اور نہ ہی وہ یہ جشن مناتے تھے، مزید برآں اس امت کے معتبر ائمہ دین کے یہاں بھی نہ اس عید کا تصور تھا اور نہ وہ اسے مناتے تھے، اور نہ ہی وہ اپنے شاگردوں کو اس کی تلقین کرتے تھے۔ اگر اس کام میں نیکی وثواب ہوتا یا کوئی بھی دینی یا دنیاوی فائدہ ہوتا تو آپ ﷺ اپنے صحابہ کو ضرور اس کا حکم دے دیتے، کیونکہ آپ ﷺ کی شان میں تو خود اللہ پاک نے

ارشادفرمایا: "لقد جاء کم رسول من أنفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم" (التوبہ: ۱۲۸) ترجمہ: تمہارے پاس ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہارے نقصان کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہارے فادے کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں، مومنوں کے ساتھ بڑے شفیق ومہربان ہیں۔ ایسے شفیق ورحیم نبی اپنے صحابہ کو کسی نیکی سے کسے محروم رکھ سکتے تھے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ سے قولا وفعلا دو ہی عید کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ حضرت انس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ان لوگوں کے سال میں دو دن مقرر تھے جن میں وہ کھیلتے (خوشیاں مناتے) تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: زمانۂ جاہلیت سے ہم ان دنوں میں کھیلتے اور خوشی مناتے چلے آرہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "قد أبدلکم بهما خیرا منهما: یوم الفطر ویوم الأضحی" (اخرجہ النسائی: ۱۵۵۶، وصححہ الالبانی) یعنی اللہ تعالی نے تم کو ان کے بدلے میں دو بہتر دن عطا فرمادیئے ہیں اور وہ ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن۔

معلوم ہوا کہ اس امت کے اولین دور سے ہی اہل اسلام کے ہاں سالانہ دو ہی عیدیں چلی آرہی ہیں، تیسرے نام کی کسی عید کا تصور تک نہیں ملتا، البتہ آپ ﷺ کے بعض ارشادات میں یوم جمعہ کو قرار دیا گیا ہے، اس کی اصل وجہ فضیلت یہ ہے کہ

(۱) یہ دن مسلمانوں کی خاص عبادت کا دن ہے، اگر چہ عبادت کا اہتمام عیدین پر بھی کرنے کا حکم ہے۔

(۲) جمعہ کو عید کا دن کہا گیا تو اس دن حکم طہارت ونظافت، تلاوت وذکر اللہ کا دیا گیا اور مسلمان ہر جمعہ کو یہ کام انجام دیتے ہیں، نیز اس جمعہ کو حدیث میں لفظ ''عید'' کہے جانے کے باوجود یوم جمعہ میں کہیں عید والا اہتمام نہیں ہوتا۔

(۳) اگر جمعہ کا دن حقیقی عید ہوتا تو اس دن روزہ کسی حالت میں جائز نہ ہوتا، حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ صرف ایک نفل روزہ کسی کو رکھنا ہو تو وہ جمعہ کو نہ رکھے، البتہ اگر کوئی شخص روزہ رکھتا چلا آرہا ہے تو اس صورت میں جمعہ کا روزہ بھی رکھ لے۔ (زاد المعاد)

(۴) یوم میلاد بھی اگر مسلمانوں کے لیے عید کا دن ہوتا تو اس دن بھی روزہ رکھنے کی ممانعت ہوتی، حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ یوم الاثنین (سوموار) جو آپ ﷺ کی پیدائش کا دن ہے کو روزہ رکھتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۲۷۴۷) لہذا جمعہ کو جو ''عید'' کہا گیا ہے وہ حکما کہا گیا ہے، حقیقتا وہ عید نہیں ہے جیسا کہ احادیث میں ''یوم عرفہ'' کو حکما عید کہا گیا ہے، حالانکہ وہ عبادت کا خاص دن ہے۔ (۱)

عید میلاد النبی ﷺ کی تاریخی حیثیت

ہم ''عید میلاد النبی'' کی شرعی حیثیت کے بارے میں بتا آئے ہیں کہ اس کا قرآن وحدیث اور عہد صحابہ وتابعین اور تبع تابعین سے کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ قرون ثلاثہ کے بعد اسلام میں منصۂ شہود پر آئی، ہمیں اس سلسلے میں مورخین کے دو اقوال ملتے ہیں:

پہلا قول: عید میلاد النبی کے سب سے پہلے موجد عبیدین ہیں جو دراصل روافض اور شیعہ تھے (کذب اور جعلی نسب

نامہ کی بنیاد پر علی بن ابی طالب کی طرف اپنے کو منسوب کر کے فاطمی کہلاتے تھے) جنہوں نے سرزمین مصر میں ۳۶۲ھ کو زمام حکومت سنبھالی اور ۵۶۷ھ میں ان کی حکومت کا چراغ عاضد کے ہاتھوں گل ہوگیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ص ۲۸۰) انہیں کے دور حکومت میں ''عید میلاد النبی'' عیسائیوں کے ''کرسمس ڈے'' کی دیکھا دیکھی رواج پذیر ہوئی (کلمۃ الحق فی الاحتفال ص ۵۰) انہوں نے اپنے دور حکومت میں مزید پانچ بدعتیں اور ایجاد کی تھیں: (۱) میلاد علی (۲) میلاد فاطمہ (۳) میلاد حسن (۴) میلاد حسین (۵) میلاد خلیفۃ الحاضر۔ (الانصاف فیما قیل فی المولد ص ۳۴-۳۵)

دوسرا قول: حافظ ابوشامہ متوفی (۶۶۳ھ) ''الباعث الحثیث علی انکار البدع والحوادث'' میں فرماتے ہیں: "أول من فعل هذا بالموصل الشيخ عمر بن محمد الملا أحد الصالحين المشهورين وبه اقتدى صاحب اربل" یعنی سب سے پہلے میلاد منانے کا فعل ملا عمر بن محمد نے جو مشہور نیک آدمی تھا شروع کیا۔ واضح رہے کہ یہ بدعت قریب ۶۰۴ھ میں ایجاد ہوئی۔ ملا عمر بن محمد موصل کے رہنے والے تھے، اربل موصل کے قریب ہے، یہاں کے رئیس ابوسعید مظفر الدین ابوالحسن علی بن سبکتگین نے ۶۳۰ء میں اسے بہت نمایاں کیا اور اس بدعت کو بہت فروغ دیا۔ (فتاوی سلفیہ از شیخ اسماعیل سلفیؒ ص ۱۵)

مورخ ابن خلکان ''سبکتگین کو کبری'' کے محاسن میں لکھتے ہیں: "لم يكن له لذة سوى السماع فإنه كان لا يتعاطى المنكر" یعنی بادشاہ محفل میلاد میں شریک ہو کر صرف سماع (گانے بجانے) سے محظوظ ہوتا اور برائیوں کو ناپسند کرتا تھا، اس کے بعد ابن خلکان نے لکھا ہے کہ: بادشاہ یہ میلاد ایک سال ۸/ربیع الاول اور ایک سال ۱۲/ربیع الاول کو مناتا، یہ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت میں اختلاف ہے۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۲ص ۲۳۶) مزید یہ کہ یہ بادشاہ ائمہ دین اور علماء سلف کی شان میں گستاخی کرتا، گندی زبان والا، متکبر بیوقوف شخص تھا۔ (لسان المیزان ج ۲ص ۲۹۶)

اس میلاد کے جواز کا فتوی سب سے پہلے عمرو بن دحیہ بن خلیفہ نے ایک کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' میں دیا، چنانچہ ملک مظفر نے اسے اس تالیف پر ایک ہزار دینار بطور انعام دیا۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان ج ۳ص ۴۴۹) ابن دحیہ کو اسوقت کے کبار محدثین نے کذاب، ناقابل اعتبار، غیر صحیح النسب، بے تکی اور فضول باتیں کرنے والا قرار دیا۔ (لسان المیزان ج ۲ص ۲۹۵)

عید میلاد النبی کی ایجاد سے متعلق ان دونوں اقوال میں توجیہ کی درمیانی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اولین موجد تو فاطمی ہی ہیں، لیکن ملا عمر بن محمد اور شاہ اربل نے انہیں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پہلے پہل موصل میں از سر نو اسے رواج دیا۔

گذشتہ سطور سے یہ واضح ہوگیا کہ کہ مروجہ میلاد بالاتفاق بعد کی پیداوار ہے، عہد رسالت اور خلافت اور صحابہ و تابعین بلکہ پورے خیر القرون حتی کہ ائمہ مذاہب اربعہ کے ہاں بھی دور دور تک اس کا سراغ نہیں ملتا، تو پھر آج کے مسلمان اس کے منانے پر کیوں بضد ہیں؟ کیا ان سب کو نبی کریم ﷺ سے محبت وعقیدت نہ تھی جس کا دعوی اس دور کے لوگ کر رہے ہیں؟ اگر تھی تو انہوں نے آپ ﷺ کا یوم ولادت کیوں نہ منایا؟ حالانکہ ان سے زیادہ دین کی سمجھ اور بصیرت رکھنے والا اور آپ ﷺ

سے محبت کرنے والا اس نیل گوں آسمان نے کسی کو نہیں دیکھا۔

وفات والے دن خوشی کا جواز

''عید میلاد النبی'' کی شرعی و تاریخی حیثیت معلوم کر لینے کے بعد ہمارے لیے یہ بھی معلوم کر لینا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کب ہوئی ؟ نیز آپ نے داعی اجل کو لبیک کب کہا؟ تاکہ بدعت نوازی میں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم وفات والے دن خوشیاں منا کر دانستہ جرم کا ارتکاب کر بیٹھیں۔

اس سلسلے میں یہ بات تو تمام محدثین و مورخین اور سیرت نگاروں میں متفق علیہ ہے کہ آپ کی وفات حسرت آیات ماہ ربیع الاول میں ہوئی، ان کے یہاں یہ بھی متفق علیہ ہے کہ پیر کے دن آپ کی پیدائش ہوئی اور اسی طرح اسی روز اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے، تاہم پیدائش سے متعلق مزید آپ کا ارشاد بھی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے سوموار کے روزے سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ذلك يوم ولدت فيه ويوم بعثت أو أنزل عليّ فيه" (صحیح مسلم: ۲۷۴۷) یہ وہ دن ہے جس میں میری ولادت ہوئی اور اسی دن میری بعثت ہوئی یا اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ لیکن آپ ﷺ کی تاریخ ولادت باسعادت میں علماء و مورخین کے مابین کافی اختلاف ہے، تاریخ کی کتابوں میں ایک جگہ ربیع الاول کی دو تاریخ منقول ہے، آٹھ کی بھی صراحت ہے، دس، بارہ، تیرہ اور ستائیس کا بھی ذکر آیا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کی صحیح تاریخ ۱۲ ربیع الاول نہیں بلکہ ۹ ربیع الاول ہے، ہاں آپ ﷺ کی وفات ضرور ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی جیسا کہ معروف کتب سیر و تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، علاوہ ازیں ہمارے ملک ہندوستان اور برصغیر کے دیگر ممالک (پاکستان، بنگلہ دیش) کی حد تک بھی ۱۲ ربیع الاول ہی بارہ وفات کے نام سے مشہور چلا آرہا ہے، اس لیے اس دن مسرت و شادمانی کا اظہار سخت نامناسب بات ہے، کیونکہ یہ جشن اور خوشیاں آپ کے یوم پیدائش کے موقع پر نہیں بلکہ آپ کی یوم وفات پر منائی جارہی ہیں، جس کے جواز کی اسلام میں قطعا کوئی گنجائش نہیں۔

لہذا عاشقان رسول کے دعویدار کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس ماہ میں جس میں خوشی بھی ہے اور غم بھی، راہ اعتدال اختیار کرتے ہوئے افراط و تفریط سے اجتناب کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے صحیح راستے پر چلیں، جن ناجائز کاموں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہیں، اسی میں ان کی دنیوی بھلائی بھی ہے اور اخروی بھی، "من عمل صالحا فلنفسه ومن أساء فعليها وما ربك بظلام للعبيد"۔ (حم السجدۃ: ۴۶) ترجمہ: جو شخص نیک کام کرے گا اس کا نفع اسے ملے گا اور جو برا کام کرے گا اس کا وبال بھی اس پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

عید میلاد النبی اور اس کی ہلاکت خیزیاں

اگر صحیح معنی میں ''عید میلاد النبی'' کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ یہ بدعت ہونے کے ساتھ اپنے پہلو میں دیگر منکرات کو سموئے ہوئے ہے، کیونکہ:

۱- اگر مختلف ادیان ومذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ''عید میلاد'' کی یہ رسم اہل اسلام میں غیر مسلم قوموں سے آئی ہے، نصاری جس طرح حضرت عیسیٰ ؑ کی میلاد مناتے ہیں ٹھیک اسی طرح مسلمان بھی رسول اکرم ﷺ کی میلاد مناتے ہیں اور میلاد کی ہر چیز میں ان کی تقلید کرتے ہیں۔

بہر حال یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ غیر اسلامی ہے بلکہ اس میں کفار کی نقالی اور ان کی مشابہت بھی ہے، حالانکہ ہمیں کفار ومشرکین کی مشابہت سے سخت انداز میں روکا گیا ہے، یہاں تک نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "من تشبه بقوم فهو منهم" (اخرجہ ابوداود: ۴۰۳۱، وصححہ الالبانی) ''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہیں میں سے ہے''۔

مزید برآں میلاد شریف ایک بدعت ہونے کے علاوہ دوسرے اولیاء وصالحین کی یوم ولادت (برتھ ڈے) منانے کا راستہ کھول دیتی ہے، جس سے شر وفساد کے مختلف دروازے کھل جاتے ہیں۔

۲- عام طور پر ''عید میلاد'' کے موقع پر محفل میلاد میں آنحضرت ﷺ کی تعریف ومدح بیان کرتے ہوئے آپ کی شان میں غلو سے کام لیا جاتا ہے، ان سے فریاد رسی اور مدد طلب کی جاتی ہے اور عقیدہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ غیب داں، حاضر وناظر اور متصرف فی الامور ہیں (۱)، جو صریحا شرک ہے، اسی طرح دیگر اولیاء کی شان میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے حالانکہ کسی بزرگ کی روح کو حاضر وناظر جاننا اور عالم الغیب سمجھنا شرک وکفر ہے۔

چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب فتاوی بزازیہ میں لکھا ہے: "من قال أرواح المشايخ حاضرة تعلم يكفر" ''جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحیں ہر جگہ حاضر وناظر ہیں اور وہ علم رکھتی ہیں تو وہ کافر ہے''۔

۳- میلاد منانے والے حضرات یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی روح مبارک بہ نفس نفیس مجالس وعظ میں اور دیگر ایسے تمام مقامات پر جہاں آپ کے میلاد کا ذکر ہوتا ہے تشریف لاتی ہے، یہ عقیدہ سراسر باطل بلکہ شرک ہے۔

علاوہ ازیں ان کا یہ اعتقاد قرآن وحدیث نیز ان کے اپنے عقیدے (۲) کے بھی خلاف ہے جو اس محفل میلاد کے بطلان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

۴- مجلس میلاد منعقد کرنے والے اور ان میں شرکت کرنے والے حضرات عموما (جیسا کہ اوپر ذکر ہوا) حضور ﷺ کی پیدائش کا ذکر سن کر کھڑے ہو جایا کرتے ہیں جو قرآنی اصول "قوموا لله قانتين" (البقرۃ: ۲۳۸) ''قیام با آدب صرف اللہ ہی کے لیے کیا کرو''، حدیث میں ہے "كل بدعة ضلالة" (صحیح مسلم: ۲۰۰۵) "وكل ضلالة فى النار" (سنن

(۱) خالص الاعتقاد ص ۳۹۔

(۲) بریلوی حضرات جب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ ﷺ پر موت طاری نہیں ہوئی بلکہ آپ بحیات حقیقی زندہ ہیں اور حاضر وناظر ہیں نیز قبر میں (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) ان پر شب باشی کے لیے ازواج مطہرات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ (ملفوظات از احمد رضا خاں بریلوی ج ۳ ص ۲۷۶) تو پھر یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کی روح مبارک محفل میلاد میں حاضر ہوتی ہے چہ معنی دارد؟ جبکہ آپ کی آمد کا مطلب تو یہ ہے کہ پہلے آپ ﷺ موجود نہیں تھے، اگر ایسا ہے تو حاضر وناظر والا عقیدہ باطل ہے، اور اگر یہ عقیدہ صحیح ہے تو پھر آپ کے احترام میں ابتداء سے انتہاء تک مسلسل قیام رہنا چاہئے تھوڑی دیر کے لیے قیام کیوں؟

النسائی:۱۵۷۸،وصححہ الالبانی)''ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے''۔

۵-میلادالنبی کے جشن وجلوس میں عموماً مرد وزن کا اختلاط ہوتا ہے جس سے فتنہ وفساد پیدا ہونے،لوگوں کا فواحش میں پڑنے کا پورا خطرہ رہتا ہے،اللہ اور رسول ﷺ نے ایسے تمام دروازوں کو بند کر دیا جو مرد وزن کو اختلاط کی طرف لے جاتے ہیں۔حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إياكم والدخول على النساء" تم غیر محرم عورتوں کے پاس جانے سے گریز کرو تو ایک انصاری آدمی نے کہا:شوہر کے قریبی رشتے دار کی بابت فرمائیے: آپ ﷺ نے فرمایا: "الحمو الموت" شوہر کا قریب ترین رشتہ دار تو موت ہے۔(صحیح بخاری:۵۲۳۲)

عید میلاد اور اس کی رسومات علمائے اسلام کی نظر میں

امام احمد بصریؒ فرماتے ہیں: "قد اتفق علماء مذاهب الأربعة على ذم العمل به" (التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی ج۱ص۲۹۱) یعنی چاروں مذاہب کے علماء نے عید میلاد النبی کے منانے اور اس میں شامل ہونے کی برائی پر اتفاق کرلیا ہے کہ یہ تمام چیزیں بالاتفاق وبالاجماع بری ہیں (ناجائز وحرام ہیں)۔

امام علامہ تاج الدین الفاکہانیؒ فرماتے ہیں: "هو بدعة أحدثها حدثها البطالون وشهوة نفس أو اعتنى بها الأكالون" (التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی ج۱ص۲۹۱) عید میلاد اور اس کے اجتماعات تمام کی تمام بدعت ہیں،مولود کو باطل پرست،غلط کاروں اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں نے نکالا ہے اور اس کا اہتمام شکم پروروں نے کیا ہے۔

حافظ ابوبکر بغدادی الشہیر بابن نقطہ رقمطراز ہیں: "ان عمل المولود لم ينقل عن السلف ولا خير في ما لم يعمل السلف" (اسلامی خطبات ج۱ص۲۵۳) یعنی مروجہ میلاد اور اس کی مجلس کے سلسلے میں اسلاف سے کچھ بھی منقول نہیں اور اس کام میں کبھی خیر وبرکت نہیں ہوسکتی جس کو سلف نے نہ کیا ہو۔

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں: "روز تولد هيج نبى عيد گردانيندن" کسی پیغمبر کی وفات یا تولد (پیدائش) کے دن کو عید کی طرح منانا جائز نہیں۔(اسلامی خطبات ج۱ص۲۵۴)

امام ابوعبداللہ محمد بن محمد العبدری المتوفی ۷۳۷ھ المعروف بابن الحاج فرماتے ہیں [فصل فى المولد] ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه في شهر ربيع الأول من المولد وقد احتوى على بدع ومحرمات جملةفمن ذلك استعمالهم المعانى ومعهم آلات الطرب والطار المصرم وغير ذلك مما جعلوه آلة السماع. دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: "وقد تقدم انه اذا أطعم الاخوان ليس الا بنية المولد ان ذلك بدعة" (فتاوی سلفیہ ص۱۷،۱۸) لوگوں کی پیدا کردہ بدعات میں سے ایک بدعت محفل مولد بھی ہے،جسے یہ ربیع الاول میں رچاتے ہیں اور محفل میں قوالی کے علاوہ طنبور،طار اور دوسرے گانے بجانے کے آلات استعمال کرتے ہیں جو محرمات میں شامل ہیں۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:''بعض لوگوں کا گانے بجانے کے بجائے قراء وفقراء حضرات کو کھانا کھلاتے ہیں،لیکن

یہ کھلا نا مسکین کی خدمت کے ارادہ سے نہیں بلکہ مولد کی نیت سے ہوتا ہے، لہذا یہ بھی بدعت ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں: آج کل جس طرح لوگ میلاد شریف مناتے ہیں، یا تو نصاری کی تقلید یا مقابلہ میں مناتے ہیں، اس لیے کہ نصاری حضرت عیسیٰ ؑ کا یوم ولادت مناتے ہیں یا پھر رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم میں مناتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ کی تاریخ پیدائش میں مؤرخین اور سیرت نگاروں کے مابین اختلاف ہے، اس طرح کی میلاد ہمارے سلف صالح نے کبھی نہیں منائی، اگر یہ خیر و بھلائی کی چیز ہوتی تو ہمارے اسلاف کرام ضرور ایسا کرتے، اس لیے کہ وہ ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کرنے والے اور آپ ﷺ سے محبت کرنے والے تھے، وہ تو آپ ﷺ کے احکام کی پیروی اور ایک ایک سنت کو زندہ کرنے کے لیے مر مٹتے تھے، وہ ہم سے زیادہ نیکی کے حریص تھے، یہ اس لیے کہ آپ ﷺ سے محبت و تعظیم کا ذریعہ وہ آپ کی پیروی و اتباع آپ کی سنتوں کے احیاء دین اسلام کے فروغ اور دل و زبان اور ہاتھ سے جہاد کو ہی سمجھتے تھے، یہی طریقہ سابقین اولین، مہاجرین و انصار اور ان کے سچے متبعین کا تھا۔ (کتاب التوحید از ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان ص ۲۱۲-۲۱۳)

علامہ عبدالحئ بن عبدالحلیم حنفی لکھنوی ؒ مروجہ محفل میلاد کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ان مشہور قصوں میں سے ایک قصہ یہ بھی ہے کہ اکثر لوگ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بنفس نفیس اپنے میلاد کی مجالس وعظ میں اور ایسے مقامات پر جہاں آپ کے میلاد کا ذکر ہوتا ہے تشریف لاتے ہیں، اسی باعث مجالس میلاد کرنے اور ان میں شرکت کرنے والے لوگ میلاد کے ذکر و بیان کے وقت آپ کی تعظیم و اکرام کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ بات بھی ان اباطیل میں سے ایک باطل چیز ہے جو کسی دلیل سے ثابت نہیں، اس کے ثابت ہونے کا امکان یا احتمال قطعی خارج از حد بیان ہے، اس جیسے بے شمار قصے جس میں سے چند قصوں کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے، فضل محمدی اور میلاد احمدی کے متعلق واعظین اپنی طرف سے گھڑ کر اور بغیر کسی دلیل و ثبوت کے بیان کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا محمد ﷺ کی جلالت کا یہ ذکر کرنا بہت بڑا ثواب ہے، حالانکہ وہ غافل مسلمانوں کو اس طرح گناہ عظیم میں مبتلا کرتے ہیں، کیونکہ اس ذکر کی اکثر باتیں نبی علیہ الصلاۃ والتسلیم کے قول و فعل اور وصف و جمال یا کمال، جن کا ذکر صحیح اخبار و صحیح آثار و حدیث میں موجود ہے کے برخلاف کذب ہوتی ہے۔ (عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت از مولانا فضل الرحمٰن ص ۲۹-۳۰)

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ کے یوم ولادت کے دن اجتماع کرنا، جلسہ کرنا یا دیگر ایسی رسومات کرنے کا شریعت محمدیہ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ دین اسلام میں ایک نئی رسم ایجاد کی گئی ہے، جسے بدعت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، یہ کام آنحضرت ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین میں سے کسی نے نہیں کیا، ان کے زمانہ میں کسی اور صحابی سے بھی یہ کام کرنا ثابت نہیں، تابعین کے زمانہ میں بھی کسی نے یہ کام ہرگز نہیں کیا، حالانکہ یہ لوگ رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ کو بعد میں آنے والوں سے زیادہ جانتے تھے، حضور ﷺ سے ان کی محبت بھی انتہا درجے کی تھی اور آپ کی پیروی اور اطاعت میں سب سے پیش پیش تھے''۔ (التحذیر من البدع ص ۹)

لہذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس صریح بدعت و ضلالت سے دور رہیں اور اس کے برے انجام سے دوسروں کو بھی باخبر کریں اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی بسر کریں۔ ☆☆☆

یوم جمہوریہ ۲۰۱۱ء کے پرمسرت موقع پر ''ندوۃ الطلبہ'' کی طرف سے ایک علمی وثقافتی پروگرام کا انعقاد

یقیناً یہ بات حوالۂ قرطاس کرتے ہوئے میرا دل فرحت وشادمانی سے معمور ہے کہ الحمدللہ دیرینہ روایت کے مطابق امسال بھی ''ندوۃ الطلبہ'' کی طرف سے یوم جمہوریہ ۲۶ رجنوری ۲۰۱۱ء کے پرمسرت موقع پر ایک علمی وثقافتی پروگرام بتاریخ ۲۱ رصفر المظفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۶ رجنوری ۲۰۱۱ء بروز بدھ بوقت ۸:۳۰ بجے صبح ''قاعۃ المحاضرات'' میں منعقد ہوا، جس کے مسند صدارت پر فضیلۃ الشیخ جناب مولانا عبدالوہاب حجازی رحفظہ اللہ جلوہ افروز ہوئے اور مہمانی خصوصی کے طور پر فضیلۃ الدکتور جناب مولانا جاوید اعظم رئیس الجامعۃ السلفیۃ رحفظہ اللہ رونق افروز ہوئے۔

علاوہ ازیں اس پروگرام میں اراکین جامعہ اور جملہ اساتذۂ کرام نے بھی شرکت فرمائی جو یقیناً ہم طلبۂ جامعہ کے لیے باعث تشجیع اور مسرت وشادمانی ہے۔

اخیر میں جناب محمد جمیل خاں رحفظہ اللہ، صدر محترم ومہمان خصوصی اور ناظم اعلی جناب عبداللہ سعود سلفی رحفظہم اللہ وتولاہ نے بالترتیب اپنے اپنے تاثراتی کلمات پیش کئے، آپ حضرات کے یہ قیمتی کلمات ہم طلبۂ جامعہ کے لیے یقیناً مشعل راہ ثابت ہوں گے، اللہ تعالی انہیں جزائے خیر عطا کرے، آمین۔

پروگرام کی تفصیل:

(۱) تلاوت کلام پاک: حمید حسن فضل حق رف ۱

(۲) ترانۂ ہند: مستفیض الرحمٰن محمد ریحان رف ۲، اوران کے رفقاء

(۳) یوم جمہوریہ کا مختصر تعارف: خیر الاسلام بحر الحق رف ۳

(۴) جمہوریت اور ہندوستانی اقلیات: عبدالفتاح عبدالودود

(۵) بعض قوانین ہند سے متعلق مسلمانوں کی عدم معرفت اوراس کا نقصان (مکالمہ)
فرحان عبدالمجید رع ۲، نعمت اللہ علاء الدین رع ۲

(۶) اپنے ماحول کی ترجمانی ڈرامہ کی زبانی (ڈرامہ): ثروان نعیم نعیم اختر رف ۳، اوران کی ٹیم

(۷) خبرنامہ: ابوطلحہ محمد ابراہیم رف ۲

عبیداللہ الباقی عبدالسلام رف ۲
ناظم ندوۃ الطلبہ

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

ہندوستانی مسلمان ملک کے وفادار ہیں: وکی لیکس

وکی لیکس کے مطابق امریکی سیاست دانوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمان دہشت گردی سے دور ہیں، اور اپنے ملک کے لیے ان کے اندر پوری وفاداری ہے، گارجین نے وکی لیکس سے حاصل اس کیبل پروگرام کو شائع کیا ہے، جس کے مطابق امریکہ کے سفیر ڈیوڈ ملفورڈ نے کہا تھا کہ علاحدگی پسندوں اور مذہبی شدت پسندوں کا ہندوستان کے مسلمانوں پر بہت کم اثر ہے، نیز وکی لیکس کے مطابق مسلمانوں کی بیشتر آبادی صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتی ہے اور ملک کا نوجوان مسلمان دہشت گردوں کی حمایت نہیں کرتا۔ (روزنامہ ''آج'' ۲۰؍دسمبر ص ۱۴)

اسلام مخالف مہم کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی میڈیا کی ضرورت:

اسلامی کانفرنس کی 57 رکنی تنظیم (او آئی سی) کے جنرل سکریٹری پروفیسر اکمل الدین احسان اوغلو نے ایک مضبوط اسلامی میڈیا کی ضرورت پر زور دیا ہے، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی مہم کا موثر طریقے سے مقابلہ کیا جاسکے، انہوں نے او آئی سی سے منسلک اسلامک براڈ کاسٹنگ یونین (آئی بی یو) کے جنرل اسمبلی سے کہا کہ میڈیا دنیا میں تیزی سے ہونے والی پیش رفت کے لحاظ سے اسلامی میڈیا کے ادارے کافی لاپرواہی برت رہے ہیں۔

احسان اوغلو نے کہا کہ خادم حرمین شاہ عبداللہ کی پہل پر مکہ میں 2005 میں ہوئی او آئی سی کی ایک اہم کانفرنس میں آئی بی یو اور بین الاقوامی اسلامی نیوز ایجنسی (آئی آئی این اے) جیسی او آئی سی کی میڈیا ایجنسیوں کو مضبوط کرنے کی بات کہی تھی۔ (راشٹریہ سہارا ۲۴؍دسمبر ص ۳)

احمد آباد میں ڈاکٹر راجندر سچر کا بیان:

احمد آباد میں ۲۶؍دسمبر کو امریکن فیڈریشن آف مسلم آف انڈین اوریجن کی جانب سے منعقدہ دو روزہ سیمینار میں خطاب کے دوران ڈاکٹر راجندر سچر نے کہا کہ دنیا کے 34 فیصد مسلمان بھارت، پاکستان و بنگلہ دیش میں بستے ہیں، بھارت کی ساڑھے سات کروڑ مسلم خواتین میں سے ساڑھے پانچ کروڑ غیر تعلیم یافتہ ہیں، لہذا ان کی ریزرویشن کی مانگ کوئی بھیک نہیں ہے، تاہم کوئی سرکار ان پر یہ احسان نہیں کررہی ہے۔ (دینک جاگرن ۲۷؍دسمبر ص ۱۲)

☆☆☆

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) سونے کے وقت وضوء کرنے اور کروٹ ہوکر سونے کی کیا کوئی دلیل کتب حدیث میں ہے؟

(۲) کیا کوئی شخص نبی ﷺ کو خواب میں دیکھ سکتا ہے؟

قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرما کر مشکور ہوں۔ والسلام

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

(۱) صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ وضوء کرکے سونے اور سوتے وقت داہنی کروٹ سونے کے بارے میں اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کی صحیح حدیث موجود ہے، یہ حدیث احادیث کی مختلف کتابوں کے علاوہ صحیحین کے اندر بھی موجود ہے، حضرت براء بن عازب ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا: جب تم اپنے بستر جانے لگو تو نماز کے وضوء کی طرح وضوء کرو پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹو اور کہو: "اللهم أسلمت وجهي اليك وفوضت أمري اليك والجأت ظهري اليك، رغبة ورهبة اليك، لا ملجأ ولا منجأ منك الا اليك آمنت بكتابك الذي أنزلت بنبيك الذي أرسلت" یعنی اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ تیرے سپرد کردیا اور اپنا سارا معاملہ بھی تجھے سونپ دیا اور اپنی پیٹھ بھی تیری طرف کردی، تجھ سے ثواب کی خواہش کرتے ہوئے اور تیرے عذاب کا ڈر رکھ کر، تجھ سے بھاگ جانے کا ٹھکانہ اور پناہ گاہ بجز تیرے اور کہیں نہیں ہے، میں تیری اس کتاب پر جو تو نے اتاری ہے اور تیرے اس نبی پر جو تو نے بھیجا ہے ایمان لایا، پس اگر تم یہ دعا پڑھ کر سوئے، پھر مر گئے تو ایمان پر تمہارا خاتمہ ہوگا اور ان کلمات کو اپنا آخری کلام بناؤ۔ (صحیح بخاری ح:۶۳۱۱، صحیح مسلم:۲۷۱۰)

اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ہر مسلمان کو وضو کرتے ہوئے داہنی کروٹ ہوکر یہ دعاء اور ان دعاؤں کو جو اس موقع پر پڑھنے کے سلسلہ میں مختلف احادیث میں موجود ہیں، پڑھنا چاہئے۔

(۲) نبی کریم ﷺ کو اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے تو حقیقت میں اللہ کے رسول ﷺ ہی کو دیکھے گا، حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت نہ رکھو (یعنی ابوالقاسم) اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے (حقیقت میں) دیکھا، اس لیے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا، اور جس نے میرے اوپر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ (صحیح بخاری ح:۱۱۰، صحیح مسلم ح:۲۱۳۴)

اس حدیث پاک سے کئی مسائل سامنے آتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا جاسکتا ہے، شیطان نبی ﷺ کی شکل وصورت اختیار نہیں کرسکتا ہے، لیکن یہ شرف (یعنی نبی ﷺ کو دیکھنا) ہر کس وناکس کو حاصل نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ شرف وہی شخص پاسکتا ہے، جو صحیح العقیدہ، دیندار، متقی وپرہیزگار اور سنت کا پابند ہو، اللہ تعالی ہمیں بھی یہ شرف نصیب فرمادے، آمین۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆